Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تفکّرات

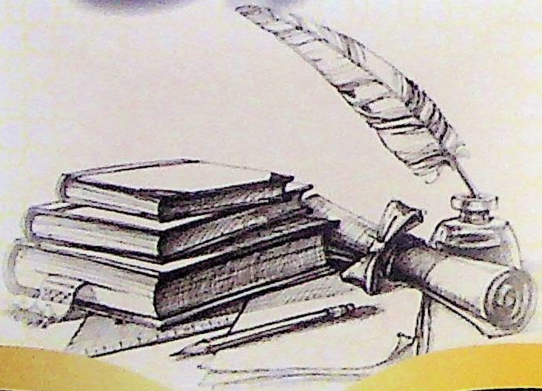

مشتاق احمد گنائی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تفکرات

(تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ)

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

جے۔ این۔ کے پبلی کیشنز

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

© جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ

نام کتاب	:	تفکرات (تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ)
مُصنّف	:	ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی
ناشر	:	جی. این. کے پبلی کیشنز
قیمت	:	۳۵۰ روپے
صفحات	:	۱۵۸
تعداد	:	۵۰۰
کمپوزنگ	:	ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی
سن اشاعت	:	جون ۲۰۲۱ء
رابطہ/پتہ	:	ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی، سامبورہ، پلوامہ کشمیر
موبائل نمبر	:	7006402409

Year of 1st Edition 2021
ISBN 978-93-91606-12-1
Price Rs. 350

Published by

GNK PUBLICATIONS

Head Office : Near Old Bus Stand, Kumar Mohalla
Charari Sharief, Budgam - 191112 (J&K)
E-mail : gnkpublications@gmail.com
Mobile : 7006738304, 8082186649

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

انتساب........

پیاری دادی

فرزانہ صمد

اور

نورِ چشم

صاحبزادی صالحہ ثمرین

کے نام

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تعارف

نام : ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

قلمی نام : مشتاق عالم

والد : عبدالغفار گنائی

والدہ : ساجدہ بانو

پیدائش : یکم مارچ ۱۹۸۷ء، سامبورہ، پانپور، پلوامہ، کشمیر

تعلیم : ایم۔اے اُردو کشمیر یونیورسٹی، سرینگر (۲۰۱۰)

پی۔ایچ۔ڈی، اندور یونیورسٹی اندور، ایم۔پی (۲۰۱۸)

UGC NET/JRF 2012، JKSET 2016

تصانیف : جموں وکشمیر میں اردو غزل ۱۹۴۷ء کے بعد (۲۰۱۹)

پیشہ : درس وتدریس محکمہ اعلیٰ تعلیم حکومت جموں وکشمیر

پتہ : گنائی محلّہ سامبورہ، پانپور، پلوامہ، کشمیر

پوسٹ آفس: کاکاپورہ۔192304

موبائل نمبر: 7006402409

ای۔میل: mushtaqalamphd87@gmail.com

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

فہرست مضامین

نمبر شمار | | صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
☆ ۔	پیش لفظ	6
1.	تحریک آزادی ہند کی کہانی اردو شاعری کی زبانی	12
2.	پشکر ناتھ بحیثیت افسانہ نگار	20
3.	ریاست جموں کشمیر میں اردو شاعری ایک جائزہ	30
4.	کشمیر میں اردو افسانہ آغاز اور مختلف ادوار	43
5.	فلسفہ خودی و بے خودی اقبال کی شاعری کے تناظر میں	50
6.	شوریدہ کاشمیری کی غزل گوئی	63
7.	کرشن چندر کے فکشن میں کشمیر کی عکاسی	79
8.	طالب کاشمیری کی نظم نگاری	87
9.	کرشن چندر کے ناول ''شکست'' میں کشمیری دیہات	98
10.	اُردو ریڈیو ڈراما اور سعادت حسن منٹو کی ڈراما نگاری	105
11.	عرش صہبائی کی غزلوں میں تصورِ زندگی	120
12.	شاعر ہزار امکان: فرید پربتی	128
13.	جدید اردو غزل کے ماہتاب: پرتپال سنگھ بیتاب	140
14.	اسکولوں میں اردو نثر کی تدریس کے جدید طریقہ کار	155

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

پیش لفظ

تحقیق وتنقید دنوں صبر آزما اور صحرانوردی کا کام ہے۔ محقق کی نظر اور نقاد کی فکر ہر وقت محو جستجو رہتی ہے۔ تحقیق نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح ادب میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور آئیندہ بھی دیتا رہے گا۔ تحقیق نامعلوم سے معلوم اور موجود کی دریافت یا بازیافت کا نام ہے۔ طالب علمی سے معلّمی کے سفر کے دوران اردو زبان و ادب ہمیشہ میری دلچسپی کا مرکز ومحور رہا ہے۔ داستانوں کے مافوق الفطرت واقعات ہوں یا ناول کے رومانی مکالمے، افسانہ کا تجسس ہو، یا ڈرامہ کی پیس کش، غزل کی موسیقیت ہو یا نظم کا ترنم، قصیدہ کی شوکت زبان ہو یا مرثیہ میں کربلا کا میدان، رباعی کی دلکشی ہو یا مثنوی کا زور بیان غرض اردو زبان کی ہر صنف دلچسپ اور دلکش ہے۔ راقم الحروف اردو زبان وادب کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے۔ اردو زبان و ادب کی مختلف اصناف اور مشاہیر ،شعراء، ادباء، محققین، ناقدین اور ماہرین زبان کی تصانیف کا مطالعہ جزو زندگی بنایا ہے۔ جس کی بدولت قلم اور کاغذ کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ اپنے حقیر تاثرات بھی بعض اوقات لکھنے کی جسارت کرتا ہوں۔ زیر ترتیب

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کتاب ''تفکرات'' انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ کتاب میں شامل اکثر مضامین تحقیقی و تنقیدی نوعیت کے ہیں جو گزشتہ چند برسوں سے ملک کے مختلف مقتدر رسائل و جرائد میں شائع ہوئے ہیں اور بعض مختلف اوقات میں ملکی سطح کے سمیناروں میں پڑھے گئے ہیں۔ کتاب میں شامل مضامین کے عناوین کچھ اس طرح ہیں۔

تحریک آزادی ہند کی کہانی اردو شاعری کی زبانی، پشکر ناتھ بحیثیت افسانہ نگار، جموں کشمیر میں اردو شاعری ایک جائزہ، جموں کشمیر میں اردو افسانہ آغاز اور مختلف ادوار، فلسفہ خودی اور بے خودی کلام اقبال کے آئینے میں، شوریدہ کاشمیری کی غزل گوئی، کرشن چندر کے فکشن میں کشمیر، طالب کاشمیری کی نظم نگاری، کرشن چندر کے ناول شکست میں کشمیری دیہات، شاعر ہزار امکان فرید پربتی، جدید اردو غزل کے مہتاب پرتپال سنگھ بیتاب، عرش صہبائی کی غزلوں میں تصوزندگی، اردو ریڈیو ڈراما اور سعادت حسن منٹو کی ڈراما نگاری، اسکولوں میں اردو نثر کی تدریس کے جدید طریقہ کار۔

کتاب میں شامل اولین مضمون تحریک آزادی ہند کی کہانی اردو شاعری کی زبانی، ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں اردو شعراء کے کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ مضمون میں ملک کے نامور شعراء کے کلام کے حوالے سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں جذبہ آزادی کو پیدا کرنے کے لیے شعراء نے اپنے فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا ہے۔ مضمون میں، جوش، چکبست، فراق، مجاز، بسمل، جوہر جیسے قدآور شعراء کے ولولہ انگیز اشعار

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نقل کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تحریک آزادی ہند اردو زبان اور شاعری نے کتنا اہم اور نا قابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔

پشکر ناتھ جموں کشمیر کے صف اول کے افسانہ اور ڈرامہ نگار گزرے ہیں۔ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ان کے منجھے ہوئے فن کار ہونے کا احساس ہوتا ہے۔وہ صنف افسانہ کے فنی لوازمات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ان کی اکثر کہانیوں کا موضوع جموں کشمیر کے سماجی اور سیاسی حالات ہیں۔

جموں کشمیر میں اردو شاعری ایک جائزہ کے عنوان کے تحت لکھے گئے مضمون میں جموں کشمیر میں اردو شاعری کی ابتداء اور ارتقاء کا احاطہ کیا ہے۔کشمیر میں اردو شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرنے والے شعراء کا تعارف مختصراً پیش کیا گیا ہے۔جموں وکشمیر میں اردو افسانہ آغاز اور مختلف ادوار میں اردو افسانہ کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔کشمیر کے اولین افسانہ نگار سے لیکر دور رفتہ کے قلمکاروں کا تذکرہ اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے آفاقی کلام سے ہر ذی حس قاری کو متاثر کیا ہے۔کتاب میں شامل مضمون فلسفہ خودی اور بے خودی کلام اقبال کے آئینے میں،ان کے کلام کے اہم ترین فلسفہ خودی اور بے خودی کا احاطہ کرتا ہے۔مذکورہ مضمون میں راقم نے کلام اقبال کے فلسفہ خودی اور بے خودی کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کرشن چندر اردو فکشن کا ایک معروف ترین نام ہے۔ چونکہ ان کی تخلیقات میں سے ہمیں بہت سی کہانیاں ایسی ملتی ہیں جن میں کشمیر کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ کرشن چندر کے فکشن میں کشمیر، کے نام سے لکھے گئے مضمون میں ایسے ہی ناولوں اور افسانوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جن میں کشمیر کے حالات و واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ کرشن چندر نے اپنے جادوئی قلم سے کشمیر کی خوبصورتی کو لفظوں میں عکس بند کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں سے اردو دنیا کو کشمیر سے متعارف کرایا ہے۔ اس مضمون میں ان کے ایسے افسانوں اور ناولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے جن میں کشمیر کی زندگی دکھائی گئی ہے۔

کرشن چندر کے ناول شکست میں کشمیری دیہات کے عنوان سے تحریر کردہ مضمون کرشن چندر کے پہلے اور مشہور ناول کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس مضمون میں یہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کرشن چندر نے صرف کشمیر کی خوبصورتی کو ہی موضوع نہیں بنایا ہے بلکہ وہ یہاں کے سادہ لوح عوام کی غریبی، بے بسی اور ظلم و جبر کو بھی پوری شدت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مذکورہ مضمون میں کشمیر کی دیہی زندگی کے حوالے سے ناول کے کرداروں اور منظر نگاری کے حوالے سے متعدد اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔

سعادت حسن منٹو اردو افسانہ کا ایک روشن ستارہ ہے۔ افسانہ کے علاوہ انہوں نے خاکہ اور ڈراما بھی لکھے ہیں۔ شامل کتاب مضمون اردو ریڈیو ڈرامہ اور سعادت حسن منٹو کی ڈراما نگاری میں راقم نے ان کی ریڈیو ڈراموں کے حوالے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سے ان کے فن کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔یہاں ان کے کئی ڈراموں کے موضوعات اور پیش کش کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

شوریدہ کاشمیری کشمیر میں اردو غزل کے قدآور شاعر گزرے ہیں۔انہوں نے اپنے ہم عصر شعراء کے دوش بہ دوش موضوع اور فن کے اعتبار سے کشمیر میں اردوغزل کو نئی بلندیوں سے ہمکنار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔شامل کتاب مضمون میں ان کی غزلیہ شاعری کے مضمرات اور ممکنات کو اجاگر کرنے کوشش کی گئی ہے۔

فرید پربتی اور پرتپال سنگھ بیتاب کشمیر کے جدید غزل گوشعراء میں سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔ دونوں شعراء کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔کتاب میں شامل مضامین میں مذکورہ شعراء کی غزلوں کا موضوعاتی اور فنی محاسن ومعائب کوزیر بحث لایا گیا ہے۔

تدریس زبان وادب کسی بھی زبان کی ترقی وترویج میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔اسکولوں میں اردونثر کی تدریس کے حوالے سے قلم بند کیے مضمون میں دورِرفتہ میں اردوادب کی تدلیس کے جدید طریقوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔جن کواپنا کراردوتدریس میں خاطرخواہ نتائج برامد ہوسکتے ہیں۔

زیرترتیب کتاب میں شامل اکثر مضامین علاقائی ادب کا احاطہ کرتے ہیں۔جس کی خاص وجہ کشمیر میں مختلف اردواصناف ادب اور یہاں کے فن کاروں کی اردوادبی خدمات کومنظرعام پرلانا مقصود ہے۔کیوں کہ ملکی سطح کے نامورفن

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کاروں پر اکثر لکھا جاتا ہے اور اردو کے علاقائی ادب بے توجہی کا شکار ہو رہا ہے اور اکثر خادمین ادب کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ میری اس کوشش میں یقیناً کچھ خامیاں رہی ہوں گی۔ امید ہے کہ قارین ادب میری اس خامہ فرسائی کو پسند فرما کر میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور کتاب میں شامل لغزشوں سے مجھے آگاہ کرنے کی زحمت گوارہ کریں گے۔

مشتاق احمد گنائی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تحریک آزادی ہند کی کہانی اردو شاعری کی زبانی

کسی بھی ملک یا قوم میں ظالم اور مظلوم موجود ہوتے ہیں۔ ظالم ظلم پہ ظلم کیے جاتا ہے اور مظلوم برداشت کیے جاتا ہے، مگر جب مظلوموں میں قوت برداشت کا مادہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ ظالم کے خلاف احتجاج کرنا شروع کرتے ہیں اور یہ جدوجہد آزادی کی نعمت حاصل ہونے تک مسلسل جاری رہتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک کی تاریخ کے مطالعے سے یہ امر واضع ہو جاتا ہے کہ زبان کے رابطے نے حاکم اور محکوم کے درمیان اہم اور مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان دنیا کے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کے طول وعرض میں کئی زبانیں رائج ہیں۔ لیکن ایک ایسی زبان جو یہاں کی عوام خواہ وہ شمال کی ہو یا جنوب کی، مشرق کی ہو یا مغرب کی کے درمیان رابطے کا کام کرتی ہے وہ اردو زبان ہے۔ ملک کو انگریز سامراج سے آزاد کرانے کے لیے ہمارے جانباز سرفروشوں اور مجاہدوں نے میدانِ کارزار میں اپنے جذبات کو اردو زبان کے زریعے اظہار کیا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔ کیونکہ یہ وہ زبان تھی جو پنجاب ،لکھنو، بنگال ، دلی ، بمبئی ، پٹنہ، بھوپال، حیدرآباد، مدراس وغیرہ غرض ہندوستان کے کونے کونے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔اور یہی وہ زبان ہے، جس میں ''انقلاب زندہ باد'' کا فلک شگاف نعرہ ملک بھر میں جہدآزادی کے دوران گونج اٹھا۔اس زبان کے شعرأ نے بھی مجاہد آزادی کے جوش اور جذبے کو ولولہ بخشنے کے لیے حب الوطنی کے ایسے نغمے لکھے جو اپنی مثال آپ ہے۔اردو شاعری کی ایک کہکشاں ایسی ہیں جنہوں نے اپنی شاعری میں تحریک آزادی ہند کی ترجمانی کی ۔ان حضرات میں مولانا حسرتؔ موہانی ، علامہ اقبال، مولانا ظفرعلی خان ، مولانا محمد علی جوہرؔ، درگا سہائے سرور جہاں آبادی، برج نرائن چکبست ،تلوک چندمحروم ، پنڈت موہن دتاتر کیفی ، نوبت رائے نظر، ساحرلدھیانوی، اکبرالہ آبادی، جوش ملیح آبادی، اسرارالحق مجاز، حفیظ جالندھری، جانثاراختر، رام پرشاد بسمل ،فراق گوکھپوری، عرش ملسیانی، جگن ناتھ آزاد، علی سردار جعفری، فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین وغیرہ وغیرہ ایسے نام ہیں جنہوں نے اپنے قلم کے ذریعے تحریک آزادی ہند کے لئے خوب خدمت انجام دی۔ان تمام حضرات کی وطنی شاعری کو یہاں پیش کرنا مناسب نہیں لہذا چند خاص شعرأ کے حوالے سے ہی میں اپنے مضمون میں بات کروں گا۔

پنڈت برج نارائن چکبست کا شمار اردو کے حب الوطن شعرأ میں سرفہرست ہے۔ان کے کلام کا بیشتر حصہ قومی و وطنی شاعری پر ہی مشتمل ہے۔جس سے ان کے دل میں وطن کی محبت اور ملک کی آزادی کے خواب کا بہ آسانی اندازہ

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

لگایا جاسکتا ہے۔ جب چکبست جوشِ آزادی وطن میں سرشار ہوتے ہیں تو کہہ اٹھتے ہیں:

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا
رگوں میں خون کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا
دلوں میں آکے یہ ارمان جا نہیں سکتا

ہندوستان کی تحریک آزادی کے ایک نامور مجاہد مولانا حسرت موہانی اردو کے نمائندہ شعرأمیں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے جہاں ایک طرف سیاست میں عملی حصہ لیا وہی دوسری طرف اپنی شاعری کے ذریعے بھی ملک کی آزادی کے لیے نغمے گائے۔انگریزوں کے بے پناہ مظالم انہوں نے خود بھی سہے ہیں اوران کے ہم وطنوں نے بھی چناچہ کہتے ہیں:

اچھا ہے اہلِ جور کیئے جائیں سختیاں
پھیلے گی یونہی شورشِ حُب وطن تمام
دولت ہندوستان قبضۂ اغیار میں
بے حد وحساب لکھتے رہے کب تک

شاعرانقلاب شبیرحسن خان جوش ملیح آبادی کواپنے ملک ہندوستان اور اس کی آزادی سے محبت جس قدرتھی اس سے کئی گناہ زیادہ انگریزوں اوران کی غلامی سےنفرت تھی جس کااندازہ ان کےاشعار سے ہوتا ہے:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سُنو اے ساکنانِ بزمِ ہستی
صدا کیا آرہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی جاوداں سے

جوش کے کلام میں کئی نظمیں ایسی ہیں جن میں انگریزوں کے لئے ان کے دل میں نفرت کے جذبات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں نظم ''نعرہ شباب'' کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھ کر میرے جنوں کو ناز فرماتے ہوئے
موت شرماتی ہے میرے سامنے آتے ہوئے
تیرے جھوٹے کفر و ایمان کو مٹا ڈالوں گا میں
ہڈیاں اس کفر و ایمان کی چبا ڈالوں گا میں
پھر اُٹھوں گا ابر کی مانند بل کھاتا ہوا
گھومتا، گھرتا، گرجتا، گونجتا گاتا ہوا
موت کے سائے میں رہ کر موت پر چھایا ہوا
کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب وانقلاب وانقلاب

رام پرشاد بسمل کا نام شاید ہی کوئی ہندوستانی بھول سکتا ہے۔ یہ وہی شیر ہند تھا جس نے اپنے ملک کی آزادی کے لئے تختہ دار پر اشفاق اللہ خان اور دیگر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ساتھیوں سمیت جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کا یہ شعر آج بھی ہر ہندوستانی کے نوکِ زبان ہے:

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوے قاتل میں ہے

اسرارالحق مجاز اردو کے جواں سال شاعر گذرے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ملک کی تحریک آزادی میں ایک نئ جان ڈال دی۔ ان کی نظم ''انقلاب'' اس سلسلے میں اہمیت کی حامل ہیں۔ نظم میں اس دور کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ ملاحظہ ہو چند اشعار:

آرہے ہیں جنگ کے بادل وہ منڈلاتے ہوئے
آگ دامن میں چھپائے خون برسائے ہوئے
کوہ صحرا میں زمیں سے خون ابلے گا ابھی
رنگ کے بدلے گلوں سے خون ٹپکے گا ابھی
سرکشی کی تند آنندھی دم بہ دم چڑھتی ہوئی
ہر طرف یلغار کرتی ہر طرف بڑھتی ہوئی
خون کی ہولی کی جنگل سے ہوائیں آئیں گی
خون ہی خون ہوگا نگاہیں جس طرف بھی جائیں گی

مجاز اُس وقت عالمِ شباب میں تھےلیکن انہوں نے شباب پر انقلاب کو ترجیح دی۔ ایک جگہ اپنے ہم وطن نوجوانوں کے دلوں میں آزادی کا جوش اور

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جذبہ بڑھانے کے لئے کہتے ہیں:

تو انقلاب کی آمد کا انتظار نہ کر
جو ہوسکے تو ابھی انقلاب پیدا کر

یہ اور اس طرح کے کئی اشعار مجاز اور دیگر شعرأ کے کلام میں ہمیں ملتے ہیں جن سے ملک کی پوری عوام انقلاب کے فلسفے سے واقف ہوئی۔ اور اسی فلسفے کی بدولت ہر ہندوستانی کے دل میں وطن کی بے لوث محبت اور آزادی کے خواب نے ایک مستحکم جگہ لی۔ جس کا اظہار لال چند فلک کے اس شعر سے ہوتا ہے:

دل سے نہ نکلے گی مرکر بھی وطن کی الفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

وہی اشفاق اللہ خان شہید کی تمنّا ہے کہ موت کے بعد وطن کی مٹی کفن کے اندر رکھ دی جائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

کچھ آرزو نہیں آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی خاکِ وطن کفن میں

ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی بھرپور عکاسی جس شاعر کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے ان کو اردو دنیا فراق گورکھپوری کے نام سے جانتی ہے۔ اس دور کے دیگر اہم شعرأ کی طرح فراق گورکھپوری نے بھی وطن عزیز کی آزادی کے حق میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ ہر ہندوستانی کی طرح ان کے دل میں ملک کی آزادی کی امید گھر کر چکی تھی جس کا اعتراف وہ اپنی نظم ''آزادی''

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

میں اس انداز میں کرتے ہیں:

ہمارے زور سے زنجیر تیرگی ٹوٹی
ہمارا سوز ہے ماہ تمام آزادی
ترنّم سحر دے رہا ہے جو چھپ کر
حریف صبح وطن ہے یہ آزادی
ہمارے سینے میں شعلے بھڑک رہے ہیں فراق
ہماری سانس سے روشن ہے نامِ آزادی

فراق نے ان شہیدوں کو بھی خراج پیش کیا ہے جنہوں نے وطن کی آزادی کے لئے اپنا خون بہایا اور جن کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت آج ہمارا ملک ایک آزاد ملک ہونے پر فخر کر رہا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانے میں نامِ آزادی

امین آلوسی کا اسی نوع کا ایک شعر ملاحظہ ہو: ع

خون شہیداں وطن کا رنگ لا کر ہی رہا
آج جنت نشاں ہندوستاں آزاد ہے

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب ہمارا ملک غلامی کے طوق سے رہا ہو کر ایک آزاد ملکِ ہندوستان کے نام سے دنیا میں اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ دن ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء ہے جس کو ہم آپ سبھی یومِ آزادی کے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طور پر پوری آن بان اور شان کے ساتھ ہر سال مناتے ہیں۔ آزادی جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہونے کے بعد ہمارے شعرائے نے جو آزادی کے نغمے کہے اس سلسلے میں اپنے جذبات کا اظہار تلوک چند محروم کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

چھٹے دامن سے اپنے داغ ہائے تنگِ محکومی
وطن اپنا ہے اپنی سلطنت ہے اقتدار اپنا
نہ گلچیں غیر ہے کوئی نہ ہے صیاد کا کھٹکا
چمن اپنا ہے اپنے باغباں لطفِ بہار اپنا

غرض اردو شعرائے نے تحریک آزادی ہندوستان کا ساتھ اوّل تا آخر برابر دیا۔ جب بھی ہندوستان میں تحریک آزادی کا ذکر ہوگا تو اس کے ساتھ اردو زبان اور خاص طور پر اردو شاعری کا ذکر ضرور ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری لازم و ملزوم ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں جو کردار آزادی میں اردو زبان نے ادا کیا ہے وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے مستحق ہے۔ اور اس میں شاید ہی کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے۔ آخر پر مولانا محمد علی جوہر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

دور حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

پشکر ناتھ بحیثیت افسانہ نگار

کشمیر میں اردو زبان کو سرکاری سرپرستی ملنے کے بعد یہاں کے قلم کاروں نے مقامی زبانوں (کشمیری، ڈوگری اور لداخی) کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی اپنی تخلیقی کاوشوں کے لئے ذریعۂ اظہار بنایا۔ یہاں کے فنکاروں نے اپنے جذبات اور احساسات کو شاعری کے شانہ بہ شانہ افسانہ نگاری میں بھی ابھارا۔ کشمیر میں شاعری کے بعد جس صنفِ ادب کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی وہ ''افسانہ'' ہے۔ پریم ناتھ پردیسی ریاست کے پہلے باقاعدہ افسانہ نگار تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان کے بعد ریاستی سطح پر بہت سارے فنکاروں نے صنف افسانہ میں طبع آزمائی کی۔ جن میں پریم ناتھ درؔ، نرسنگھ داس نرگس، تیج بہادر بھان، ٹھاکر پونچھی، موہن یاور، کشمیری لال ذاکر وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے افسانے ملک کے طول وعرض میں شائع ہونے والے مختلف جرائد میں چھپتے رہے۔

ان کے بعد ریاست میں اردو افسانہ نگاری کی روایت کو جن قلم کاروں نے آگے بڑھایا ان میں حامدی کاشمیری، غلام رسول سنتوش، امیش کول، بنسی نردوش، دیپک کول، مخمور حسین بدخشی، وید راہی، علی محمد لون، برج پریمؔی، نور شاہ اور

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

پشکر ناتھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سبھی افسانہ نگاروں نے ملک گیر سطح پر اپنی اپنی شناخت قائم کی۔ چونکہ میرے مضمون کا تعلق پشکر ناتھ سے ہے لہٰذا یہاں بات صرف پشکر ناتھ کی ہوگی۔

پشکر ناتھ ملک کشمیر کے شہرت یافتہ افسانہ نگاروں میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ وہ ۳۱ مئی ۱۹۳۲ء میں سرینگر کے محلّہ عالی کدل کے ایک پڑھے لکھے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی کہانی سننے اور پڑھنے کا شوق تھا۔ ۲۱ سال کی عمر سے انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ ان کی تحریر کردہ پہلی کہانی 'اور کہانی ادھوری رہ گئی' ۱۹۵۳ء میں ملک کے نامور رسالے ماہنامہ 'بیسویں صدی' کے فروری شمارہ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے یکے بعد دیگرے کہانیاں لکھیں اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ پشکر ناتھ کے افسانے لگ بھگ مسلسل ملک کے معتبر اور شہرت یافتہ رسالوں کی زینت بنتے رہے۔ جن میں 'بیسویں صدی'، 'نگار'، 'آج کل'، 'شیرازہ'، 'تعمیر'، 'شاعر'، 'ایوان اردو'، 'کتاب نما'، وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

پشکر ناتھ کے ابتدائی دور کے افسانوں میں رومانیت کا عنصر غالب رہا ہے۔ لیکن بہت جلد انہوں نے اس راہ کو خیر باد کہا اور کشمیر اور کشمیریوں کے دردوغم، مصیبتوں، مظالم، اور مفلسی کو موضوع بنایا جس کو پیش کرنے میں وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر برج پریمی لکھتے ہیں:

> ''پشکر ناتھ نے ایک رومان نگار کی حیثیت سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ وہ ''بیسویں صدی'' سے کشمیر میں پہچانے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

گئے لیکن بہت جلد انہوں نے اپنے منصب کو پہچان لیا اور
رومانوں سے اتر کر انہوں نے کشمیر کی زندگی کے کرب کو
اپنے افسانوں میں ڈھال دیا''۔
(جموں کشمیر میں اردو ادب کی نشو نما از برج پریمی۔ ص 199)

پشکر ناتھ کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'اندھیرے اجالے' کے نام سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں 'پردہ نشین' 'گالی' 'نروان' 'موت کا سوداگر' 'جاہل کمینے' اور 'اندھیرے اجالے' جیسے مشہور افسانے شامل ہیں۔ اس افسانوی مجموعے پر انہیں جموں کشمیر کلچرل اکاڈمی نے پہلے انعام سے نوازا ہے۔

'ڈل کے باسی' لشکر ناتھ کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جو ۱۹۶۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعے کو بھی ریاستی کلچرل اکاڈمی نے انعام سے سرفراز کیا۔ اس افسانوی مجموعے میں 'گلوان' 'گاشری' 'ابابیل' 'آس نراس' 'خلا' 'کالے بادل' اور 'ڈل کے باسی' لائقِ مطالعہ افسانے ہیں۔ اس مجموعے میں لشکر ناتھ کا فن پہلے کے بہ نسبت اور زیادہ نکھر کر سامنے آیا ہے۔ مذکورہ بالا افسانے ایک سنجیدہ قاری کو قوتِ تخیل کو ٹٹولنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس افسانوی مجموعے کو بالخصوص اور لشکر ناتھ کی افسانہ نگاری کو بالعموم مدِ نظر رکھتے ہوئے پروفیسر محمد اسد اللہ وانی ان الفاظ میں اپنے تاثرات پیش کرتے ہیں:۔

''پشکر ناتھ ایک حقیقت نگار ادیب تھے۔ وہ اس امر سے
بھی پوری طرح واقف تھے کہ افسانوں میں حقیقت اور

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تخیل کے درمیان حدِ فاصل کیسے قائم رکھنا ہے۔ چنانچہ اپنے افسانوں میں انہوں نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے۔ وہ بدلتی فضاؤں کے ترجمان تھے۔ اسی لئے ان کے افسانے ندرتِ تخیل، اندازِ بیان اور تحریر کے لحاظ سے اعلیٰ فنی نمونے ہیں''۔

(''شیرازہ'' لشکر ناتھ نمبر از پروفیسر محمد اسد اللہ وانی۔ص 15)

پشکر ناتھ کے فن کا عروج ان کے تیسرے افسانوی مجموعے ''عشق کا چاند اندھیرا'' میں صاف طور پر نظر آتا ہے۔ یہ افسانوی مجموعہ ۱۹۸۲ میں شائع ہوا اور اس میں کُل ۱۳ افسانے شامل ہیں۔ جن میں ''عشق کا چاند اندھیرا'' ''وحشت ہی سہی'' ''ایک بوند زہر'' ''رات اکیلی ہے'' اور ''میری گلی کا کتّا'' قاری کے ذہن میں کئی طرح کے سوالات پیدا کرتے ہیں۔

کانچ کی دنیا پشکر ناتھ کا چوتھا اور آخری شائع کردہ افسانوی مجموعہ ہے۔ جو ۱۹۸۴ میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس مجموعے ۱۷ میں افسانے شامل ہیں جو پشکر ناتھ کے فکر وفن کی انتہا پر دلالت کرتے ہیں۔ اس مجموعے کے بہترین افسانوں میں کانچ کی دنیا' پل نمبر' صفر کے گدھ' درد کا مارا' ابال' شہر بے چراغ' ٹراوٹ مچھلی' نوری بھی ناری بھی' اکیلی راہ کا مسافر وغیرہ۔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان افسانوں کے بغور مطالعہ کے بعد ایک قاری پوری طرح اس بات سے آشنا ہوتا ہے کہ فنکار کو اپنی بات سمجھانے کے تمام گر معلوم ہیں۔ یعنی لشکر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ناتھ فنِ افسانہ نگاری کے جملہ لوازمات پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔
پشکر ناتھ کی کہانیاں متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں۔ وہ کسی مخصوص موضوع میں قید نہیں رہتے۔ ان کے ابتدائی دور کے افسانوں میں رومان، بعد میں کشمیر کی زندگی کے مختلف پہلو، اور بعد ازاں محرومی اور علامتی پیرائے کی کہانیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پشکر ناتھ ہر دور میں اور ہر زمانے میں فن اور موضوع کے لحاظ سے تجربہ کرنے سے نہیں کتراتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کسی مخصوص دائرے میں محدود نہیں رکھنا چاہتے ہیں۔ بقول پروفیسر منصور احمد منصور:

> ''ہر مجموعے میں وہ ''پشکر ناتھ'' نئے عنوان نئے موضوع، نئے احساس اور نئی تیکنک کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ان کی نگاہیں تیزی سے بدلتے ہوئے انسانی مزاج اور بدلتے ہوئے سماجی حقائق پر رہتی ہیں۔ وہ انسانی مزاج کی بدلتی کیفیتوں، حالتوں، گردوپیش کی زندگی اور معاشرتی مسائل سے اپنی کہانیوں کا تانا بانا بُنتے ہیں''۔
>
> (شیرازہ پشکر ناتھ نمبر۔ از منصور احمد منصور، ص 62)

جہاں تک پشکر ناتھ کی کردار نگاری کی بات کی جائے یہاں بھی وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو بروئے کار لا کر اپنے افسانوں کے لئے کرداروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ لشکر ناتھ انسانی جذبات اور نفسیات کے بڑے نبض شناس ہیں۔ ان کی کہانیوں میں نچلے طبقے سے لے کر طبقۂ اشرف کے افراد بھی نظر آتے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہیں، موقع ومحل کی مناسبت سے کرداروں کے انتخاب میں انہوں نے ماہرانہ چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ لشکر ناتھ کی کردار نگاری کے بارے میں پروفیسر اسد اللہ وانی یوں رقم طراز ہیں:

''ان کے افسانوں کے کردار اسی ہماری دنیا اور ہمارے گردوپیش کے جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے انسان ہیں جن کے حیات وکائنات سے متعلق معاملات اور مسائل کو لشکر ناتھ نے افسانہ کی صورت میں قاری کے سامنے انتہائی چابکدستی سے پیش کیا ہے''۔

(شیرازہ پشکر ناتھ نمبر۔ از پروفیسر محمد اسد اللہ وانی۔ ص نمبر 17-18)

پشکر ناتھ کی کہانیوں میں جہاں موجودہ دور کے ہر کردار کی جھلک نظر آتی ہے وہیں انہوں نے بعض ایسے کردار بھی اس خوبصورتی سے تراشے ہیں کہ جب وہ کہانیاں اپنے انجام کو پہنچتی ہیں تب بھی کردار قاری کو اپنے آس پاس نظر آتے ہیں ۔جیسے ''نیا چانداداس اداس'' کی ''کیلاش رانی''، ''گالی کی ''ساجدہ''، ''درد کا مارا'' کا ''صمد جو''، ''پردہ نشین'' کی ''زینب''، ''زرد پتے'' کا ''چودھری جبار''، ''رازِ دل'' کا ''گوبند'' وغیرہ۔

موضوع اور کردار نگاری کے ساتھ ساتھ مکالمہ اور منظر نگاری میں بھی پشکر ناتھ یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ انھیں زبان پر کامل دسترس حاصل ہے۔ ان کے افسانوں کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ وہ کرداروں کے عین مطابق زبان

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کا استعمال کرتے ہیں۔ موقع ومناسبت کے مطابق تشبیہات واستعارات کا بھی خوب سہارا لیتے ہیں۔ لشکر ناتھ کی زبان دانی کا اندازہ ان کے مختلف افسانوں کے اقتباسات سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔

''پھر گلیوں میں گھومنے والے آوارہ کتّے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونے لگے''۔

''عشق کا چاند اندھیرا'' ص 22۔

''آج صبح سے یہی حال ہے۔ کچھ بیچینی سی ہے کچھ بے قراری سی ہے۔ دل اچاٹ اچاٹ سا ہے''۔

''وحشت ہی سہی''۔ ص 51۔

''رمضان جوان پڑھ تھا، لیکن خدا نے اس کے ہاتھوں میں ایسا جادو بھر دیا تھا کہ لوگ حیرت سے دانتوں تلے انگلیاں دبانے پر مجبور ہو جاتے تھے''۔

''درد کا مارا'' ص 133۔

''لیجیے باتوں باتوں میں سورج غروب ہو گیا ہے، پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں دبک گئے ہیں۔ کوؤں کا ایک جوڑا بے ہنگم سی صدائیں بلند کر کے سفیدے کے درخت کی پھنگ پر سرگوشی کر رہا ہے''

''دل کی بستی'' ص 114۔

پشکر ناتھ کی کہانیوں کا طاقتور موضوع کشمیر رہا ہے۔ انھیں کشمیر کے روم روم سے بے پناہ محبت رہی ہے۔ انہوں نے اپنا بچپن اور لڑکپن یہیں پر گزارا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں کشمیر کے مختلف علاقوں کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ قاری خود کو اس علاقہ میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ان کی بیشتر کہانیوں میں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہمیں سرینگر، ڈل جھیل، پہلگام، نشاط، شالیمار، چشمۂ شاہی، جہلم، گلمرگ، ولر جھیل، زعفران، اخروٹ، برف وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے کشمیر کے تئیں ان کی والہانہ محبت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کشمیر کی تہذیب، تمدن، کلچر، اخوت اور بھائی چارہ کی عکاسی بھی انہوں نے اپنے افسانوں میں بڑے ہی منفرد انداز میں کی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں کی مظلوم عوام کی بے بسی، مفلسی اور افسردگی کی مرقع کشی بھی پشکر ناتھ نے خوب کی ہے۔ جسے کشمیر اور کشمیریوں کے لئے ان کے دلی جذبات اور احساسات کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر ان کے افسانوں کے چند اقتباسات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں:۔

''جہلم کے کنارے زیرو برج کے اس پار بنڈ کے پاس بوڑھے چناروں کا قافلہ ایستادہ ہے''۔

''پل نمبر صفر کے گدھ''

''صمد جو مال بنا کر پہلے تو مختلف دکانداروں کو دیتا رہا پھر گگری بل کے ہاؤس بوٹوں میں رہنے والے انگریزوں کو بیچتا رہا''۔

''درد کا مارا''

''یہ وہی لڑکی تھی جس کو اس نے بہت دن پہلے اخروٹ کے درخت کے نیچے دیکھا تھا۔ تب وہ ایک شاداب سیب تھا اور اب وہ گلاب کا ایک مسکراتا ہوا پھول بن گئی تھی۔''

''گیت اور آنسو''

''پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں پر آگ سی بھڑک رہی تھی پھر اس کی نظریں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سامنے باغ میں بھٹکنے لگیں چنار کے پتّے زرد ہو رہے تھے''۔

''زرد پتّے''

''ککرناگ سے ڈکسم جاتے جاتے گاڑی کی رفتار کم کی جانی چاہئے نہیں تو ان سر بلند دیوار اور چیل کے درختوں کا لا ابالی پن جگہ جگہ اگتے ہوئے جنگلی پھولوں کی رنگا رنگی، قدم قدم پر بہتی ہوئی چھوٹی چھوٹی ندیوں کی مست خرامی دیکھنے میں نہیں آئے گی''۔

''ٹراوٹ مچھلی''۔

پشکر ناتھ کے افسانوں میں کشمیر اور کشمیریت کے پیشِ نظر پروفیسر عبدالقادر سروری اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:۔

''لشکر ناتھ کے افسانوں کا محرک کشمیر کی زندگی اور اس کی حسین فضائیں ہیں لیکن وہ فطرت کے ان حسین مناظر کے درمیان، عوام کی غربت اور ان کا افلاس ایک تضاد ہے، جن کے نقوش وہ بڑی جانکاری کے ساتھ ابھارتے ہیں''۔

''کشمیر میں اردو'' از عبدالقادر سروری۔ ص 108۔

افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ پشکر ناتھ ڈرامہ نگاری کی طرف بھی راغب ہوئے۔ اور بہت جلد انہوں نے ایک اچھے ڈرامہ نگار کے طور پر اپنی شناخت قائم کی۔ ان کے ایک مشہور ڈرامے ''ساون جھلے بھادوں جھلے'' پر آکاش وانی کی طرف سے انھیں انعام سے نوازا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

انہوں نے ۳۰۰ کے قریب ڈرامے تحریر کیے ہیں۔ جن میں بیشتر ریڈیو اور ٹی۔ وی سے نشر اور پیش ہوئے ہیں۔ اس طرح وہ فنِ افسانہ نگاری اور فنِ ڈرامہ نگاری دونوں میں کامیاب اور کامران نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایک ناول ''دشتِ تمنا'' بھی لکھا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پشکر ناتھ ایک باصلاحیت اور باشعور افسانہ نگار ہیں۔ وہ افسانہ نگاری کے جملہ اسرار اور رموز سے پوری طرح آشنا ہیں۔ خواہ بات موضوع و پلاٹ کی ہو یا کردار و مکالمہ کی یا پھر منظر نگاری اور طرزِ بیان کی وہ ہر فن مولا کی طرح نظر آتے ہیں۔ جس سے ان کے عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ میں اپنی بات ڈاکٹر اشرف آثاری کی اس رائے پر ختم کرتا ہوں:۔

> ''پشکر ناتھ کی کہانیوں میں فکر و فلسفے کی جولانی بھی ہے اور بالغ النظری بھی، احوال واقوال کی ہم آہنگی ربط بھی ہے اور حقیقت نگاری کی سوچ بھی، کردار نگاری پر انھیں عبور بھی ہے اور ہر کردار کی نفسیات سے آگاہی بھی، عصری زندگی اور سماج کی ترجمانی بھی ہے اور ندرت بیان و اظہار بھی ہے''۔
>
> (شیرازہ پشکر ناتھ نمبر۔ از ڈاکٹر اشرف آثاری۔ ص 136)

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ریاست جموں و کشمیر میں اردو شاعری ایک جائزہ

جہاں تک ریاست جموں و کشمیر میں اردو کے تخلیقی ادب کی ابتدا کا تعلق ہے تو یہاں بھی ملک کی دیگر بڑی زبانوں کی طرح نثر کے مقابلے میں پہلے شاعری ہی کے نمونے ملتے ہیں۔ سنسکرت اور فارسی کی طرح یہاں کے ادب نواز اور ادب دوست فنکاروں نے اردو میں کلام موزوں کر کے اپنی شناخت قائم کی۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کڑی میر کمال الدین حسین اندرابی رسؔوا کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جنھیں کشمیر میں اردو کا پہلا باقاعدہ شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بقول عبدالقادر سروری:

> ''میر کمال الدین حسین اندرابی رسؔوا سے کشمیر میں اردو کے ترقی یافتہ روپ کا آغاز ہوتا ہے۔ رسؔوا اورنگ زیب کے آخری عہد کے کشمیری انشا پردازوں اور شاعروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ کم و بیش شمالی ہند کے ابتدائی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

لکھنے والوں جعفر زٹلی افضل اور فضلی کی کے معاصر تھے۔‘‘

(ماہنامہ شیرازہ، سرینگر، جلد ۳۷، شمارہ ۳، ص ۸۴)

اکبر شاہ ثانی کے دربار میں بحیثیت ملازم رسواؔ ایک عرصے تک دہلی میں مقیم تھے اور جب شہزادہ شکست سے دوچار ہوئے تو رسواؔ اپنے وطن کشمیر لوٹے۔ ان کے مکاتیب اور فارسی و اردو کلام کو ان کے شاگردِ عزیز پچھی رام نے مرتب کر کے ’’رقعاتِ حاتم الکمال‘‘ کے نام سے شائع کیا۔ جس میں رسواؔ کے خطوط کے علاوہ ریختہ، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔

رسواؔ کے بعد جن سخن سنجوں نے ریاست میں فارسی کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کی راہیں بھی ہموار کیں، ان میں مرزا عبدالغنی بیگ قبولؔ، پنڈت دیارام کاچرو خوش دلؔ، مرزا محمد جان بیگ سامیؔ، مہتاب رائے تائبؔ، خواجہ امین الدین خان امین، محمد علی حشمت، خواجہ احسن اللہ خان بیاںؔ وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ریاست میں اردو شاعری کی کوئی بھی تاریخ ’’دو بھائی ادیب‘‘ یعنی پنڈت ہرگوپال کول خستہؔ اور سالگ رام سالکؔ کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہوگی۔ یہ دونوں بھائی اردو زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انھوں نے صحافت، تاریخ، نثر اور شاعری میں اپنے جوہر دکھائے ہیں، جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پلا ساقیا مجھ کو جامِ شراب

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کہ ہوتی ہیں اب کشتیاں غرق آب

خوب ڈھونڈا جہاں میں اے خستہؔ
خستگی کا نہ آشنا دیکھا

(ہرگوپال خستہؔ)

گرداب محبت سے ہوا کوئی نہ جاں بر
یہ بحر وہ ہے جس کا کنارہ نہیں ہوتا

(سالگ رام سالکؔ)

چودھری خوشی محمد ناظر جو کہ کشمیر میں گورنر کے عہدے پر عرصۂ دراز تک فائز رہے، انھوں نے ریاست میں اردو شاعری کو ترقی دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کا وطن گجرات تھا، لیکن عمر کا بیشتر حصہ کشمیر میں ہی گزارا۔ وہ ایک بلند مرتبہ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے کشمیر کی خوبصورتی کے پیش نظر متعدد نظمیں لکھی ہیں، جو ان کے مجموعۂ کلام ''نغمۂ فردوس'' میں موجود ہیں۔ جھیل ڈل کی خوبصورتی کا عکس کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

ہیں شکارے میں سیہ چشم بتانِ کشمیر
یا اترتے ہیں غزالان حسن پانی میں
لب ڈل آپ بھی کاشانہ بنالیں ناظرؔ
موسمِ گل میں رہے لطف سخن پانی میں

ناظرؔ نے کشمیر میں اردو شعراء کے مذاق کو سنوارنے میں اہم رول

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ادا کیا ہے۔ ناظرؔ کے دور کے دیگر شعرا میں مرزا اسعد الدین سعدؔ، منشی امیر الدین امیر، منشی غلام محمد خادم، صادق علی خان صادقؔ وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

ریاست میں اردو شاعری کو تقویت دینے میں یہاں قائم کی گئیں مختلف انجمنوں کے خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں انجمن مفرج القلوب، انجمن اسلامیہ، انجمن نصرت الاسلام سرینگر، بزم مشاعرہ جموں، بزم اردو جموں و سرینگر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان انجمنوں میں ریاست کے علاوہ ملک بھر کے نامور شعرا بھی شریک ہوتے تھے۔ جن میں علامہ اقبالؔ، سر عبدالقادر، سیماب اکبرآبادی، ساغر نظامی، یگانہ چنگیزی، حفیظ جالندھری، تاجور نجیب آبادی، جگر مرادآبادی، اختر شیرانی، فیض احمد فیض، روش صدیقی، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد دین تاثیر وغیرہ ایسے نام ہیں جن سے پوری اردو دنیا مانوس ہے۔ ان شعرا کی وقتاً فوقتاً کشمیر آمد سے یہاں کے مقامی شعرا کا مذاق سخن بھی سنورتا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۹۴۷ء تک ریاست میں اردو شعرا کی ایک کثیر تعداد ابھر کر شعری افق پر نمودار ہوئی۔ ان میں نندلال کول طالبؔ کاشمیری، کشن سمیل پوری، رساؔ جاودانی، پنڈت نندلال کول بے غرضؔ، قمرؔ قمرازی، مرزا کمال الدین شیداؔ، دینا ناتھ مست چکنؔ، میر غلام رسول نازکیؔ، شہ زورؔ کاشمیری، دینا ناتھ رفیقؔ، عشرتؔ کاشمیری، آثرؔ صہبائی، چراغ حسن حسرتؔ،

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نشاطؔ کشتواڑی، منوہر لال دلؔ، غ۔م۔طاؤسؔ، وشوناتھ درماہؔ، غلام علی بلبلؔ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ان میں سے بیشتر شعرا کا کلام نہ صرف ریاست بلکہ ملک کے نامور رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔علاوہ ازیں کئی شعرا کے شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

پنڈت نندلال کول طالبؔ ریاست میں اردو شاعری کے ایک روشن ستارے ہیں۔انھوں نے اردو غزل اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی،لیکن نظم ان کی محبوب صنف سخن رہی ہے۔ان کے دو شعری مجموعے ''رشحات التخیل'' اور ''مرقعہ افکار'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ان کے کلام کا نمایاں موضوع کشمیر ہے۔ان کی متعدد نظمیں جنت بے نظیر کی عکاسی کرتی ہیں۔جس کی ایک منفرد مثال نظم ''بہار کشمیر'' ہے۔کشمیر کی خوبصورتی کے علاوہ طالبؔ کے یہاں قومی،تہذیبی،سیاسی،مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر نظمیں ملتی ہیں۔نظم ''بہار کشمیر'' سے یہاں دو اشعار نقل کرتا ہوں۔

شکست آرزو تھی لطف بہار دیکھوں
کاشانہ چمن کے نقش ونگار دیکھوں
باغ نشاط میں ہو دل کو نشاط حاصل تازہ نسیم
ڈل اور شالامار دیکھوں

وادیٔ بھدرواکے رہنے والے رساؔ جاودانی کا نام ریاست کے قادرالکلام اردو شعرا میں ہوتا ہے۔ان کا کلام دو مجموعوں ''لالہ صحرا'' اور ''نظم

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ثریا'' پر مشتمل ہے۔ مناظر قدرت پر کچھ نظموں کے علاوہ ان کے کلام کا متعدد بہ حصہ غزلوں پر مشتمل ہے، جو ان کی محبوب صنف سخن رہی ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بے یقینی ہے سُستی ایمان
ضعف اوہام کا سہارا ہے
تیری فرقت میں تجھ سے ملنے تک
تیرے پیغام کا سہارا ہے

منوہر لال دلؔ بھی ریاست میں اردو شاعری میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ وہ غزل اور نظم کے شاعر ہیں، لیکن غزل سے وہ زیادہ شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے لیے زیادہ تر چھوٹی بحروں کا استعمال کیا ہے۔ ''نقد دل'' کے نام سے ان کا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ اشعار دیکھیں۔

یہ خضر رہ کی بدولت نہ کارواں کے طفیل
ملی حیات کی منزل غم جواں کے طفیل
ہر ایک اہل سخن دلؔ ہے تیرا گرویدہ
نئی زمین غزل اور نئے بیاں کے طفیل

میر غلام رسول نازکیؔ کا شمار ریاست کے سربرآوردہ شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ اردو زبان پر غیر معمولی دسترس رکھتے ہیں، اور اسی زبان کو انھوں نے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اپنے جذبات کے اظہار کا موئثر وسیلہ بنایا ہے۔انھوں نے غزل، نظم، رباعی اور قطعات وغیرہ جیسی اصناف سخن میں کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی۔ان کے تین شعر یمجموعے ''دیدۂ تر'' 'متاع فقیر' 'اور ''چراغ راہ'' زیورطبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ان کی غزل سے ایک خوبصورت شعر ملاحظہ فرمائیں۔

محبوب کے ہونٹوں پر سیلاب تبسم ہے
یا نور کے دریا کی موجوں میں تلاطم ہے

اس کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں جن شعرا نے اردو زبان کی خدمت کی اور شاعری کے علم کو نئی بلندیوں تک پنچایا، ان میں عرشؔ صہبائی، قیصرؔ قلندر، عابدؔ مناوری، اندرجیت لطفؔ، نشاطؔ انصاری، ودیارتن عاصیؔ، شوریدہ کاشمیری اور سیفیؔ سوپوری وغیرہ کے نام کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ان حضرات کا کلام ملک گیر سطح پر پذیرائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ان میں بیشتر شعرا کی تخلیقات ہندوپاک کے نمائندہ ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

عرشؔ صہبائی کا نام اردو کے قدآور شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کی بے لوث خدمت کی ہے، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔جس کا اندازہ ان کے دس (۱۰) سے بھی زیادہ شعری مجموعوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ان کے شعری مجموعوں میں 'شکست جام' 'شگفت گل' 'صلیب اسلوب' 'ریزہ ریزہ وجود' 'خوشبو تیرے بدن کی' 'تجھ بن چین کہاں' وغیرہ خاص

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طور پر قابل ذکر ہیں۔عرشؔ صہبائی اپنے جذبات واحساسات کو زیادہ تر غزل کے ہی سانچے میں منتقل کرتے ہیں۔اگرچہ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں،لیکن ان کی شناخت غزل کی بدولت ہی ہے۔اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

نہ اس کو بھول کہ میں نے تجھے کیا تخلیق
یہ اور بات ہے کہ تو وقت کا خدا ہی سہی

عرش ان جھیل سی آنکھوں کا اس میں کیا قصور
ڈوبنے والے کو گہرائی کا اندازہ نہ تھا

گوری نند بالی عابدؔ مناوری ریاست کے اہم شاعر ہیں۔حسن وعشق کے موضوع کو انھوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ برتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی شاعری میں انسان دوستی، بے ثباتی دنیا اور وطن کی محبت وغیرہ جیسے مضامین ملتے ہیں۔ان کا کلام ''بہار غزل''،''شمیم گل'' اور''برجستہ'' تین مجموعوں کی صورت میں جلوہ افروز ہو چکا ہے۔مثال کے طور پر اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دلِ انسان کو سکوں مل نہ سکا
جستجو شمس و قمر تک پہنچی
جلوہ فرما ہے بام پر کوئی
چاند تاروں میں روشنی کم ہے

قیصرؔ قلندر غزل اور نظم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ان کا شعری

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

مجموعہ 'سازِ جمال' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ رومان ان کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ شعر دیکھیں۔

جب درد کی شمعیں جلتی ہیں احساس کے نازک سینے میں
اک حسن سا شامل رہتا ہے پھر تنہا تنہا جینے میں

پنڈت ودیا رتن عاصیؔ کا شمار ریاست کے معتبر شاعروں میں ہوتا ہے۔ شاعری میں غزل ان کی محبوب صنف سخن رہی ہے۔ غزل میں انھوں نے اپنے دردِ دل کی داستان بہت ہی خوبصورتی سے بیان کی ہے۔ ''دشت طلب'' ان کا شعری مجموعہ ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

بیٹھے ہو سرِ راہ گزر کیوں نہیں جاتے
تم لوگ تو گھر والے ہو گھر کیوں نہیں جاتے

شوریدہؔ کاشمیری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ زندگی کے نشیب وفراز اور دیگر معاملات کو انھوں نے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ شعر دیکھیں۔

اقلیم الفت کا ہوں سکندر ہوں دارا کی شوکت کو کیا کروں گا
سب سے بڑی دل کی سلطنت ہے دنیا کی دولت کو کیا کروں گا

ریاست جموں وکشمیر میں اردو شاعری کا اہم دور ۱۹۶۰ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے اکثر شعرا کے کلام میں داخلیت، خود پسندی، دنیا کی بے ثباتی، انسانی قدروں کی پامالی اور انکشاف ذات وغیرہ جیسے موضوعات نظر آتے ہیں۔ اس دور کے شعرا میں حکیم منظورؔ، ہمدمؔ کاشمیری، حامدیؔ کاشمیری، مظفرؔ ایرج،

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

رفیق رازؔ، شہبازؔ راجوروی، فاروق نازکیؔ، پرتپال سنگھ بیتابؔ، شجاع سلطانؔ، فاروق مضطرؔ، محمد یسینؔ، خالد بشیرؔ، رخسانہ جبین، احمد شناسؔ فاروق آفاقؔ اورشبیبؔ رضوی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حکیم منظورؔ ریاستی شعرا کی کہکشاں میں دور سے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے برصغیر ہندوپاک میں اپنی شناخت قائم کی ہے۔منظور اردو غزل سے والہانہ شغف رکھتے ہیں۔اپنے جذبات واحساسات کو انھوں نے اکثر غزل کی صورت میں ہی بیان کیا ہے۔ان کے شعری مجموعے ''ناتمام'' لہولمس چنار'' برف رتوں کی آگ'' ''خوشبو کا نام نیا'' پھول شفق آنگن'' اور ''شعرآسماں'' منظر عام پر آکر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کانگڑی بستر میں رکھ کر کھڑکیوں کو وا کروں
برف گرنے کا کبھی میں یوں ہی نظارا کروں

حامدی کاشمیری کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔وہ ایک کثیرالجہت شخصیت کے مالک ہیں۔ افسانہ، ناول، تحقیق، تنقید اور شاعری وغیرہ غرض ہر میدان میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔وہ ایک بلند پایہ شاعر ہیں اور شاعری کے اسرار ورموز سے پوری طرح واقف ہیں۔ان کی شاعری غزل، نظم، قطعہ اور رباعی پر مشتمل ہے۔ان کی شاعری میں ہمیں متنوع موضوعات ملتے ہیں۔اشعار دیکھیں

دہن وا کردہ منتظر قبریں ہیں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

یہ جشن زندگانی شام تک ہے
یقین کا سلسلہ اوہام تک ہے
تیر اجلوہ گلی سے بام تک ہے

مظفر ایرج کی پہچان قدیم اور جدید روایات کے حسین امتزاج کے شاعر کے طور پر ہوتی ہے۔شعر دیکھیں۔

تم نے چھوڑا تو غم نے ساتھ دیا
کوئی بے آسرا نہیں ہوتا

ہمدم کاشمیری کی شاعری انسان کی مجروح روح کی داستان ہے،وہ کہتے ہیں۔

کیا نہیں رکھا تھا میرے سامنے
پھر بھی سجدے سے نہ میرا سر اٹھا

فاروق نازکی کے یہاں یہاں فکر کی تازگی اور منفرد انداز بیاں نظر آتا ہے۔رفیق راز نے اپنے دل میں چھپے کئی پوشیدہ راز غزل کی صنف میں کھول کے رکھ دیے ہیں۔ان کی شاعری ان کی ذات کا انکشاف کرتی ہے۔پرتپال سنگھ بیتاب ریاست کے معتبر شعرا میں ایک منفرد نام ہے۔انسانی قدروں کی پامالی،سماجی نابرابری،فرد کی تنہائی وغیرہ بیتاب کی شاعری کے توانا موضوعات ہیں۔احمد شناس اپنے شعری مجموعے ''پس آشکار'' سے اردو دنیا میں اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ان کے یہاں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

محرومی، ہجر، لاتعلقی اور بے ثباتی دنیا وغیرہ جیسے مضامین زیادہ نظر آتے ہیں۔ درج بالا شعرا کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

وہ جو اترے تھے سرِ شام کبھی آنگن میں
چاندنی رات میں رہنے کو صدا ہم ہی تھے
(فاروق نازکی)

گونج سکتی ہے کسی وقت فنا کی جھنکار
سنگ سے کارِ گہِ شیشہ گراں دور نہیں
(رفیق راز)

بے مول بکوں گا وہ خریدار اگر ہو
حسرت ہے بس اک بار وہ بازار میں آئے
(پرتپال سنگھ بیتاب)

میں نے ہجرت کے کئی دور دیکھے ہیں
میں کتابوں سے کبھی دور نہیں ہو سکتا
(احمد شناس)

متذکرہ بالا شعرا کے بعد ریاست میں اردو شاعری کے میدان میں جن سخن سنجوں نے اپنی شناخت قائم کی ہے، ان میں ایاز رسول نازکی، سید رضا، فرید پربتی، بلراج بخشی، تنویر بھدرواہی، اقبال فہیم، شفق سوپوری، نذیر آزاد، شبنم عشائی، ترنم ریاض، نصرت چودھری، عشاق کشتواڑی وغیرہ کے نام کئی اعتبار سے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اہمیت کے حامل ہیں۔

دورِ حاضر کے نوجوان شعرا میں اشرف عادلؔ، پرویز مانوسؔ، سلیم ساغرؔ، لیاقت جعفری، خالد کرارؔ، شیخ گلزارؔ، سجادؔ پونچھی، محتشم احتشامؔ، لیاقت نیرؔ، اقبالؔ صدیقی، علمدار عدمؔ اور اطہر بشیرؔ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ریاست میں اردو شاعری کے متعلق اس مختصر جائزے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں جب سے اردو شاعری کا آغاز ہوا ہے، اس وقت سے لے کر موجودہ دور تک یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری ہے۔ مستقبل میں بھی نئی نسلوں سے اچھی توقع وابستہ رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اردو آج بھی ریاست کی سرکاری زبان ہے اور یہاں کے فنکاروں نے اس کو آنکھوں پر بٹھایا ہے، اور اردو زبان میں اپنے جذبات و احساسات اور خیالات کو پیش کرنے میں ہمیشہ فخر محسوس کیا ہے۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کشمیر میں اردو افسانہ

آغاز اور مختلف ادوار

اردو شاعری کے علاوہ اردو نثر میں بھی ریاست جموں وکشمیر کے قلم کاروں نے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے ہیں۔افسانہ، ناول، ڈرامہ، خاکہ، سفرنامہ، انشائیہ، تحقیق وتنقید غرض اردو نثر کی جملہ اصناف میں یہاں کے ادیبوں نے کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔اردو شاعری کے بعد ریاست میں جس صنف ادب میں سب سے زیادہ پیش رفت ہوئی ہے، وہ اردو افسانہ ہے۔ریاست میں پہلا اردو افسانہ نگار کے طور پر تیرتھ کاشمیری، محمد الدین فوق اور پریم ناتھ پردیسی کے نام لیے جاتے ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر برج پریمی لکھتے ہیں:

> ''فوق نے روش زمانہ کے مطابق کئی تاریخی اور نیم تاریخی قصے قلمبند کیے، جنھیں ہم ریاست مین اردو افسانے کے نقوش اول کہہ سکتے ہیں۔''[1]

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ڈاکٹر حامدی کاشمیری اپنی کتاب ''ریاست جموں کشمیر میں اردو ادب'' میں تیرتھ کاشمیری کو اردو کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ریاست میں دراصل ادبی نثر کے عمدہ اور قابل قدر نمونے افسانوں ہی کی صورت میں ملتے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلا اہم نام تیرتھ کاشمیری کا ہے۔''[۲]

ریاست میں اردو افسانہ اور افسانہ نگار کے نقش اول کے حوالے سے مشہور و معروف افسانہ نگار نور شاہ اپنے خیالات کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

''جب ہم کشمیر میں اردو افسانے کی بات کرتے ہیں تو پریم ناتھ پردیسی کا نام سامنے آتا ہے۔شاید اس لیے کہ ریاست میں اردو افسانے کی ابتدا پردیسی سے ہی ہوئی، اگرچہ ان سے پہلے بھی کئی افسانہ نگاروں نےافسانے لکھے،لیکن پردیسی کے افسانوں کی اہمیت ،افادیت اور انفرادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے افسانے تقسیم ملک سے پہلے اور تقسیم ملک کے بعد بھی مشہور و معروف اور معیاری جرائد میں شائع ہوتے رہے۔[۳]

مذکورہ بالا افسانہ نگاروں میں سب سے اہم اور معتبر نام پریم ناتھ پردیسی کا ہے۔ریاست میں باقاعدہ افسانہ نگاری کا آغاز انہی سے شروع

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہوتا ہے۔ان سے پہلے جتنے بھی لکھنے والے تھے، ان کے افسانے فنی کسوٹی پر پورا نہیں اترتے ہیں۔ پردیسی اردو افسانوی ادب سے آشنا تھے، وہ صنف افسانہ کی جملہ خصوصیات کا بھی بھرپور علم رکھتے تھے۔ان کی کہانیوں میں سماجی نابرابری، مظلوموں کا استحصال، طبقاتی کشمکش، کشمیر کی مفلسی، گھریلو زندگی کے مسائل وغیرہ اہم موضوعات ہیں۔

پریم ناتھ پردیسی اردو زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے، ان کا انداز بیان بھی منفرد تھا۔ان کے افسانوی مجموعے ''شام وسحر، دنیا ہماری'' اور ''بہتے چراغ'' منظر عام پر آچکے ہی۔پریم ناتھ پردیسی، پریم چند سے بہت متاثر نظر آتے ہیں، ان کے افسانوں میں بھی پریم چند ہی کی طرح غریب عوام کی مظلومی، لاچاری، بے بسی اور بدحالی کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔اس اعتبار سے پردیسی کو کشمیر کا پریم چند بھی کہا جاتا ہے۔

پردیسی کے ہم عصر افسانہ نگاروں میں پریم ناتھ در، موہن یاور، رامانند ساگر، نرسنگھ داس نرگس، گنگا دھر بھٹ دیہاتی، دینا ناتھ مٹو، ٹھاکر پونچھی، تارا چند ترسل وغیرہ نے بھی افسانہ نگاری میں انمٹ نقوش قائم کیے۔

پردیسی کے بعد پریم ناتھ در جموں وکشمیر کے ایک اہم افسانہ نگار تصور کیے جاتے ہیں۔ان کے دو افسانوی مجموعے ''کاغذ کا واسدیو'' اور ''نیلی آنکھیں'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ان کی اکثر کہانیوں میں کشمیر کی خوبصورتی کی عکاسی ملتی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے ہاں کی غریب عوام کی بھی تصویر کشی کی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔نرسنگھ داس نرگس بھی ایک حقیقت پسند افسانہ نگار ہیں۔ان کی کہانیوں کا مجموعہ ''دکھیالیس'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ٹھاکر پونچھی کا نام بھی ریاست کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے بے شمار چھوٹی بڑی کہانیاں قلمبند کی ہیں۔''چناروں کے چاند، زندگی کی دوڑ''اور''یادوں کے کھنڈ''ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔موہن یاور انسانی نفسیات کے بڑے نباض شناس تھے۔انھوں نے تین افسانوی مجموعے''وسکی کی بوتل، سیاہ تاج محل'' اور''تیسری آنکھ''یادگار چھوڑے ہیں۔رامانند ساگر نہ صرف ریاست بلکہ برصغیر ہندوپاک کے قدآور افسانہ نگاروں شمار ہوتے ہیں۔ان کی شہرت یافتہ کہانیوں میں''ٹنگمرگ کے اڈے پر، آب حیات''اور''آئینے''قابل ستائش ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ملک بھر میں افراتفری، ناامیدی، مایوسی اور مایوسی کا عالم چھایا رہا۔اس کے اثرات ریاست جموں وکشمیر کے قلمکاروں پر بھی پڑے۔جس کی عکاسی انھوں نے ملک کے دیگر ریاستوں سے تعلق رکھنے والے فنکاروں کی طرح اپنی کہانیوں میں بھی کی۔اس دور میں ریاست کے افسانوی افق پر نمودار ہونے والے ادیبوں کی فہرست طویل ہے۔جن میں نور شاہ، علی محمد لون، تیج بہادر بھان، برج پریمی، غلام رسول سنتوش، حامدی کاشمیری، پشکر ناتھ، اختر محی الدین، صوفی غلام محمد، مخمور بدخشی، عمر مجید، ویدراہی، شبنم قیوم اور کلدیپ رعنا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اگر اس کو ریاست میں اردو افسانے کا سنہرا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ اس دور سے تعلق رکھنے والے بیشتر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

افسانہ نگاروں کے یہاں ایسی کہانیاں دیکھنے کو ملتی ہیں، جوفن کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔اس سلسلے تیج بہادر بھان کا افسانہ ''جہلم کے سینے پر''علی محمد لون کے''پاپی پجارن کی سنتان'' اور''مونچھوالی گڑیا'' حامدی کاشمیری کا''سندری''پشکرناتھ کے''درد کا مارا''اور''پل نمبر صفر کے گدھ'' مخمور بدخشی کا''نیل کنول مسکائے''نورشاہ کے''بے گھاٹ کی ناؤ''اور''ویرانے کے پھول''برج پریمی کا''سپنوں کی شام''عمر مجید کا''جہلم بہتا ہے''کلدیپ رعنا''ایک خط''وغیرہ جیسے افسانے نمونے کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔مذکورہ بالا افسانہ نگاروں میں بعض کا انتقال ہو چکا ہے اور بعض آج بھی اپنے قلم کی جولانیاں دکھا رہے ہیں۔

بیسویں صدی کی ساتویں دہے سے ریاست جموں وکشمیر میں اردو افسانہ نگاروں کی ایک نئی پود ابھر کر سامنے آئی۔ان کے یہاں احساس کمتری، وجودیت، انفرادیت، قدروں کی پامالی، انکشاف ذات، محرومی وغیرہ جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ملک کے دیگر کہانی کاروں کی طرح یہاں کے ادیبوں میں بھی فنی، ہیئتی اور اسلوبیاتی سطح پر افسانے میں نئی تبدیلیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔اس دور کے افسانوں میں زیادہ تر علامتوں کا استعمال ہونے لگا،اور علامتی افسانوں کا رواج قائم ہوا۔اس سلسلے میں پروفیسر قدوس جاوید اپنے ایک مضمون ''کشمیر میں اردو افسانہ کے بدلتے رجحانات''میں یوں رقمطراز ہیں:

''جب اردو میں جدیدیت کا رجحان شروع ہوا تو کشمیر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کے افسانہ نگاروں نے ایسے جدید افسانے لکھے جن میں
فیشن پرستی اور لایعنیت کے بجائے جدید سماجی اور ثقافتی
تبدیلیوں سے جڑی معنی خیز علامتیں اور استعارے ہیں،
جن میں کہانی پن کو بھی بیانیہ کے نئے تقاضوں کے مطابق
برتا گیا ہے۔''[۱۴]

گذشتہ چار دہائیوں سے ریاست جموں وکشمیر میں جو افسانہ نگار اردو افسانہ کی آبیاری کر رہے ہیں اور اس کو نئی وسعتوں تک پہنچانے کے لیے منہمک ہیں، ان میں خالد حسین، وحشی سعید ساحل، غلام نبی شاہد، امین بنجارہ، پروفیسر ظہور الدین، شام طالب، مسعود سامون، کے۔ ڈی۔ مینی، دیپک بدکی، ایثار کشمیری، پرویز مانوس، ناصر ضمیر، راز مناوری، اقبال شال، طارق شبنم، الطاف کشتواڑی، فاروق ریزو، شہباز راجوروی، ڈاکٹر عبدالمجید بھدرواہی، مشتاق مہدی، مشتاق احمد وانی، ریاض توحیدی، راجا یوسف، اقبال نازش، شیخ بشیر، خالد کرار، نثار راہی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

طبقۂ نسواں نے بھی ریاست میں اردو افسانے کے کینوس پر نقش گری کی ہے۔ ان میں واجدہ تبسم، زنفر کھوکھر، نکہت فاروق نظر، ترنم ریاض، ایم۔ نساء، ڈاکٹر نصرت چودھری، نعیمہ احمد مہجور، منظورہ اختر، نیلوفر ناز نحوی، نسرین نقاش، رومی شال وغیرہ کے نام کئی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔

درجہ بالا مختصر جائزے سے اس بات کا آسانی سے پتا چلتا ہے کہ

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ریاست جموں وکشمیر میں جب سے صنف افسانہ کی ابتدا ہوئی ہے، اس وقت سے لے کر موجودہ دور تک ریاستی ادیبوں نے مسلسل اس میں طبع آزمائی کی ہے اور کر رہے ہیں، جو کہ ریاست میں اردو افسانے کے مستقبل کے حوالے سے ایک خوش آئند امر تصور کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

حواشی

۱۔ برج پریمی، جموں کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما، ص ۲۷

۲۔ حامدی کاشمیری، ریاست جموں کشمیر میں اردو ادب، ص ۸۰

۳۔ نور شاہ، جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگار، ص ۲۱

۴۔ ماہنامہ شیرازہ، سرینگر، جلد نمبر ۵۲، شمارہ ۱۱۔۱۲، ص ۱۴

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

فلسفہ خودی و بے خودی

اقبال کی شاعری کے تناظر میں

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیاں و حریر

علامہ اقبال کے فلسفہ حیات میں تصورِ خودی اور بے خودی کو بنیادی اور مرکزی مقام حاصل ہے۔ خودی اور بے خودی کے بارے میں علامہ اقبال کے افکار ونظریات ان کی تصانیف ''فلسفہ عجم'' (۱۹۰۸ء)۔ ''اسرار خودی'' (۱۹۱۵ء) اور ''رموز بے خودی'' (۱۹۱۸ء) میں نمایاں طور پر ملتے ہیں۔

علامہ اقبال فلسفہ خودی کے پیغامبر ہیں۔ انہوں نے اس خودی کو غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک اس کا مفہوم احساس نفس اور تعین ذات ہے۔ تمام مخلوقات میں انسان سب سے برتر ہے اسی لئے اس کی ذات کو خودی کا شعور ہے یہی شعور اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ انسانی زندگی کا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

آغاز اسی خودی کا شعور ہے اسے اپنی منزل پانے کے لئے اور خود کو مستحکم کرنے کے لئے انسان غیر خود یعنی طبعی ماحول سے مسلسل جنگ کرتا رہے اس طرح وہ اپنے لئے نئے نئے مقاصد متعین کرتا رہے۔ اپنی راہوں کی رکاوٹوں کو دور کرنا اور مشکلات پر غالب آنا اس کا نصب العین ہو تو اس کی ذہنی اور عملی قوتیں برابر تیز ہوتی جائیں گی اور اس طرح خودی کی آگ بھڑکتی رہے گی۔ ایک مقصد کے حصول کے بعد دوسرے مقصد کی کوشش کرتے ہوئے وہ راہ طلب میں آگے بڑھتا رہے۔ اسی بے قراری اور بے چینی اور اس جد و جہد وسعی و پیہم کا نام زندگی ہے:

خودی کیا ہے راز دروں حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اسکے پیچھے نہ حد سامنے

اقبال کے نزدیک خودی، جذبہ خودداری، غیرت مندی اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے لئے کائینات کی قوتوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہنے کا نام ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں فلسفہ خودی کی تفہیم وتعبیر کرتے ہوئے اس بات سے آگاہ کیا کہ انسان کی خودی ہی حقیقی زندگی ہے اس خودی کو حاصل کرنے کیلئے جہد وعمل کی ضرورت ہے۔ فلسفہ خودی میں خود بینی اور خدا بینی دونوں لازم وملزوم ہیں۔ دراصل خود بینی ہی خدا بینی ہے خودی کا احساس ذات خداوندی کا ادراک اور ذات خداوندی کا ادراک خودی کے احساس کا اثبات واقرار ہے خدا کو فاش تر دیکھنے کے لئے خود کو فاش تر دیکھنا از بس ضروری ہے۔ کیونکہ خود بینی خدا کو سمجھنے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

میں مدد کرتی ہے ۔

اگر خواہی خدا رافاش دیدن
خودی رافاش تر دیدن بیاموز

اقبال سے پہلے اردو ادب میں خودی کی اصطلاحی معنی تکبر یا غرور میں استعمال ہوا ہے لیکن اقبال نے خودی کا معنی غرور یا تکبر نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک نام ہے احساس غیرت مندی کا، جذبہ خودداری کا، اپنی انا کو شکست سے محفوظ رکھنے کا، حرکت وتوانائی کو زندگی کی ضامن سمجھنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا۔ کیونکہ اقبال ''اسرار خودی'' کے دیباچے میں خودی کی صراحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساس نفس یا تعین ذات ہے۔''

(ڈاکٹر اقبال۔ ''اسرار خودی'')

اقبال کے مطابق خودی کی تربیت سے مشت خاک میں آتش ہمہ سوز پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور خودی جب پختہ ہو جائے تو موت سے پاک ہوتی ہے۔ جس نے خودی کو مستحکم کرلیا۔ اُسے آنے والی موت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ مرنے کے باوجود زندہ رہتا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ فنا ہو جائیگا۔ لیکن خودی ابد تک قائم رہی گی۔

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

یہی ہر چیز کی تقویم ، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کی فطرت نے رکھا ہے مستور

اقبال کے مطابق خودی کو مضبوط کر کے انسان یزداں کے دھارے کا رخ اپنی مرضی کے مطابق موڑ سکتا ہے۔

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

اقبال نے بعض جگہ پر خودی اور خدا کے وجود کو لازم وملزوم بنا کر وجود کی تعریف کی کہ جوہر خودی کی نمود کا دوسرا نام وجود ہے۔اس لئے انسان کو اپنے وجود کا ثبوت دینے کے لئے خودی کی نمود سے غافل نہ رہنا چاہئے خودی کی بھرپور نمود انسان کو امر بنا دیتی ہے۔

تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود تیرا
وجود کیا ہے فقط جوہر خودی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود تیرا

خودی اقبال کے الفاظ میں ''وحدت وجدانی یا شعور کا وہ روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات وتمنیات مستنیر ہوئے ہیں''۔اس تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خودی ایک غیر مادی شے ہے۔ادراک کے ذریعے اس کی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

حقیقت کو سمجھنا ممکن نہیں۔ وجدان کے ذریعے اس کا احساس البتہ ممکن ہے۔ اقبال اسے فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کا شیرازہ بند قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے فلسفہ خودی کی رو سے خودی کی تربیت کے تین منازل ہیں۔ یعنی اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی۔ ان میں سے اطاعت میں فرائض کی ادائیگی اور شریعت الٰہیہ کی عملی تائید نمایاں ہیں۔ ضبط نفس سے مراد نفسیاتی خواہشات پر قابو پانا ہے۔ جبکہ نیابت الٰہی تخلیق انسانی کا سب سے اعلیٰ مقصد ہے۔ اقبال کے نزدیک نیابت الٰہی سے مراد وہ قوتِ مجریہ ہے جو دنیا میں قوانینِ خداوندی کی تنقید و ترویج کا موجب بنتی ہے۔ یہ مقامِ مومن ہے اور یہی مقام اقبال کے نزدیک استحکامِ خودی کا آخری نقطہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر آدمی ساری دنیا پر غالب آجاتا ہے۔ دنیا اس پر غالب نہیں ہوتی۔ اس کیفیت کا نام اقبال کی اصطلاح میں فقر، درویشی اور قلندری ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

علامہ کی شاعری میں خودی کے اثبات کی متعدد کوشش ملتی ہیں۔ انہوں نے فلسفیانہ دلائل کی پیچیدگیوں سے آزاد کر کے اسرار خودی میں خودی کو تخیل کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ خودی کو مختلف مقدمات میں تقسیم کیا جاتا ہے اور خود خودی ایک مقدمہ ہے اُسی طرح شرف انسانی یعنی انسان کو تمام کائنات پر فضیلت

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

حاصل ہے جس میں فرشتوں پر بھی فضیلت حاصل ہے اور انسان خدا کا اصلی مطلوب ہے ۔ اور وہ اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے ۔ اور انسان میں ہی یہ صلاحیت عطا کی گئی کہ وہ اپنی خودی سے تسخیر کائنات کا ہدف آسانی سے حاصل کر سکے گا ۔ خیر وشر ، روح وجسم کا اتحاد ، جبر واختیار ، تخلیق مقاصد ، عقل وعشق اور ارتقاء علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے اہم مقدمات ہیں اور انہیں سے علامہ اقبال کا فلسفہ خودی عبارت ہے ۔

نظریہ خودی کے ساتھ تصور بے خودی بھی وابستہ ہے ۔ فلسفہ خودی اور بے خودی میں کوئی ربط نہیں تھا ۔ لیکن اقبال کی ہنرمندی نے ان دونوں میں ربط پیدا کیا ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

علامہ اقبال نے اپنا فلسفہ بے خودی مشہور تصنیف ''رموز بے خودی'' میں پیش کیا ہے ۔ اس میں فرد کی خودی سے آگے بڑھ کر ملت کی خودی کی وضاحت کی گئی ہیں :

در جماعت فرد را بینم ما
از چمن راچوں گل چینم ما
فرد تا اندر جماعت گم شد
قطرہ وسعت طلب قلزم شود

اقبال نے دلائل سے ثابت کیا کہ درجہ کمال تک پہنچنے کے لئے فرد کو

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ایک ملت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس ملت میں فرد کی انفرادیت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کی حیثیت پہلے سے زیادہ مضبوط اور نمایاں ہو جاتی ہے۔خودی صرف فرد کی نہیں ہوتی معاشرے، ملت اور قوم بلکہ پوری انسانیت کی بھی ہوتی ہے۔ دینِ اسلام میں صوفیاء کے یہاں خدا کی ذات میں فنا ہو جانا خودی ہے مگر اقبال اس کے برعکس یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ اگر قطرہ دریا میں جا کر موتی نہ بنا اور فنا ہو گیا تو یہ اس کا نقصان ہے چنانچہ وہ قطرہ کو ایسے دریا کی تلاش کرنے کو کہتے ہیں۔جس میں ابھرنے اور ڈوبنے دونوں کا امکان ہو۔قطرہ دراصل فرد ہے فرد کی تکمیل خودی کا انحصار ملت کی خودی پر موقوف ہے۔پانی کا ایک قطرہ ریگستان میں ٹپک کر جذب وخشک ہو جائے گا۔لیکن سمندر میں گر کر اس کا ایک حصہ بنے گا اور اس کی وسعت میں تھوڑا اضافہ ہوگا اور اگر وہ قطرہ نیساں ہے تو تہ نشیں ہو کر ایک صدف کی شکل اختیار کرے گا جس میں ایک گوہر آب دار کی پرورش ہوگی اور اس سے پورے سمندر کی آبرو بڑھے گی۔

زندگانی ہے صدف قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا ہے جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

علامہ اقبال نے فلسفہ بے خودی کی بنیاد روحانیت پر رکھی ہے اس طرح فلسفہ بے خودی گویا فلسفہ خودی کا ان کے یہاں تکمیل پاتا ہے۔اقبال کے فلسفہ خودی کی طرح فلسفہ بے خودی بھی اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے مثلاً ایک حدیث پاک ہے:

"یدُ الله فوق الجماعة" یعنی "جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے"

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ ''شیطان جماعت سے بھاگتا ہے''۔ ہر حال فلسفہ بے خودی خود شناسی، خود آگاہی اور اتحاد عمل جیسے جذبات انسانی سے عبارت ہے ۔کوئی فرد کمال کے درجے تک پہنچنا چاہے تو اسے کمال کی ارتقائی منزلوں کو طے کرنے کے لئے ایک اچھے معاشرے دوسرے لفظوں میں ایک باشعور و خوددار اور اعلیٰ اخلاقی قدروں پر مبنی ملت کی ضرورت ہوگی۔ یہ ملت اقبال کے نزدیک ملّت اسلامیہ ہے۔ ملت اسلامیہ میں رنگ و نسل اور زماں و مکاں کی پابندیاں نہیں۔ جو بنی نوع انسان کی ہلاکت کا وسیلہ رہی ہیں۔ اس میں کسی کو صرف اس بنا پر کوئی رعایت یا ترجیح نہیں دی جاسکتی کہ وہ نسل و منصب کے لحاظ سے دوسرے سے بہتر ہے۔ ملت اسلامیہ کا نظام مساوات پر مبنی ایک مثالی نظام ہے جس میں آزادی، عدل جوئی، انفرادی ترقی اور بے خوف زندگی بسر کرنے کی ضمانت دی گئی ہے اس میں حیثیت جماعت میں گم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی یعنی فرد کی حیثیت اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین کے لفظوں میں:

''وہ بلند اور دائمی مقاصد سے آشنا ہو جاتا ہے اس کی قو تیں منظّم اور منضبط ہو جاتی ہیں اور اس کی خودی لازوال ہو جاتی ہے''۔

(''اردو اقبال نمبر'' صفحہ۔ ۳۸۔ ۱۹۳۸ء)

اس طرح فرد کی خودی اور ملت کی خودی کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں جاسکتا ہے بلکہ دونوں ایک ہی قالب کے دو روح ہے۔ فرد کی ترقی و بلندی و وقار فرد تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ جس معاشرے میں اس نے پرورش اور

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تربیت پائی۔ اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں میں ایک ربطہ ہے۔ اگر ایک بگڑ جائے دوسرے پر اس کا اثر لازمی طور پر مرتب ہوگا۔ اس لحاظ سے ایک اچھے معاشرے اور جماعت کو عروج دلانے میں فرد ایک اہم کردار کرسکتا ہے۔

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود تیرا
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

انسانی خودی اقبال کے نزدیک سمندر کے مثل ہے اس کی وسعتیں اتنی ہے جتنی خود انسان کی ہمت ہو، اس خیال کو علامہ نے یوں پیش کیا ہے۔

خودی وہ بحر ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبِ جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

خودی دراصل ایک روحانی شئے ہے جس کی تعمیر سعی و جہد مسلسل سے ہی ممکن ہے اس کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کا نظریہ خودی فرد کو اس کی غلط روی سے آگاہی دلا کر اسے عظمت کے آخری تصور یعنی ذات کبریا کی طرف بلاتا ہے اور اسے اپنے آپ کو اس کی کبریائی میں کھودینے اور پھر اس کی صفات سے حیات تازہ پانے کی دعوت دیتا ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الٰہ الا اللہ

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

خودی ہے تیغ فساں لا الہٰ الا اللہ

خودی کا اسلامی تصور یہ ہے کہ فرد مخلوق ہے جس کی ذات میں ذات باری نے بے انتہا امکانات پوشیدہ رکھے ہیں۔ جو سب کی زندگی میں ظاہر نہیں ہوتے۔ خودی اپنے شعور کے اعلیٰ ترین نقطے پر پہنچ کر بھی عبدیت کے عقیدے کے مطابق تابع اور محدود رہتی ہے۔ اس واسطے کہ اس کا تعلق فانی بدن سے ہے خودی کے مسئلے کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ زندگی کے اس تضاد اور تناقص کو نہ سمجھا جائے۔ کہ زندگی فطرت کا جز بھی ہے اور اس سے ماورا بھی۔ وہ محدود بھی ہے اور فطرت پر غلبے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے وہ پابند بھی ہے اور آزاد بھی۔ انسانی خودی کی نجات یہ نہیں کہ وہ ذات باری میں فنا ہو جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو خالق کائنات کے ارادے کے تابع کر دے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی کے کچھ مقاصد ہیں جن کے لئے یہ حرکت میں آتی اور اپنی زندگی کا ثبوت دیتی ہے مقصد کے لئے آرزو شرط ہے۔ تمنا ہی دراصل کسی چیز کا ارادہ کرتی اور پھر اسے حاصل کر لیتی ہے۔ کوشش خواہش سے پیدا ہوتی ہے زندگی کا سارا کارخانہ اور کارنامہ عزائم کا مرہون منت ہے عقل، علم اور عمل سب آرزو کی دین ہیں۔ اور ان سب کا مقصود زندگی کا تحفظ اور اس کی ترقی ہے۔ اسی تحفظ و ترقی سے خودی باقی بھی رہتی ہے اور اس کا فروغ و عروج بھی ہوتا ہے۔ حیات کا ارتقا خودی کے اس عمل اظہار سے وابستہ ہے جس سے مقاصد کی تخلیق و تکمیل ہوتی ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

۔خودی کا خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گوناگوں تجربوں سے اپنے آپ کو مستحکم کرے ۔وہ اپنے پیہم سفر کو کبھی کسی منزل پر ختم نہیں کرتی ۔ جب ایک منزل پر اس کا قافلہ پہنچ جاتا ہے تو ذرا دم لے کر آگے بڑھتی ہے اور نئی نئی منزلوں تک پہنچے کا شوق اس سے بے چین کر دیتا ہے ۔ آرزوں کی تکمیل کی انتہا یہ کہ اس کی کوئی انتہا نہ ہو ۔ شرر سے ستارہ اور ستارہ سے آفتاب پر کمندیں پھنکنے کا حوصلہ بڑھتا رہے ۔ ایک لمحہ کے اس تخلیقی آرزو کے سلسلے میں اقبال کا مسلک یہ ہے کہ

زشرر ستارہ جویم، زستارہ آفتابے
سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

اسی تڑپ میں فرد ضبط و نفس کی منزل میں داخل ہوتا ہے ۔ اس طرح انسان عروج کمال پر پہنچتا ہے یہ نیابت الٰہی کا درجہ ہے اور اسے حاصل کرنا ارتقائے خودی کا بلند ترین نصب ہے اسی کی تلاش میں نوعِ انسانی سرگرداں ہے اور اسی کے انتظار میں کائنات روز ازل سے بے قرار ہے ۔ ان اوصاف کا حاصل مرد مومن کی صفات اقبال نے یوں پیش کی ۔

ہر لحظ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امین بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اقبال کی نظر میں مردمومن کے اوصاف ہی دور جدید میں خصوصاً نئی نسلوں کی ذہنی نشونما کے مراحل میں معاون و مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ مومن کے اخلاق حسنہ ہی وہ سلاح ہے جنہیں دیکھ کے ملت اسلامیہ پھر سے کمال عروج کی چوکھٹ پر قدم رکھ سکتی ہے دینِ اسلام ماضی کی طرف جب بھی نظر دوڑائی جاتی ہے تو یہی بات اُجاگر ہوجاتی ہے کہ دینِ اسلام کے مردمجاہدں کو بلند خیالی اور اخلاق حسنہ ہی کے بدولت عظیم کامیابیاں حاصل ہوئی اوراس کے برعکس جنہوں نے اس خودی کو پست پشت ڈالا ان کو نیستی اور غلامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ چنانچہ ایک مردمومن ذات باری پر یقین کامل رکھتا ہے۔ اس کے خیال میں مذہب اور روز قیامت انسان کے لئے اشد ضروری ہیں وہ انسان کی روحانی زندگی انسانوں پر رحم وکرم و ہمدردی اوراوصاف وادائیگی کو اہم ترین فرائض سمجھتا ہے۔ لہذا اس کا مردِ کامل تمام انسانیت کی فلاح وصلاح کے لئے ہی زندہ ہے وہ الماس کی طرح سخت ہے لیکن انسانی جذبات، ہمدردی، رحم اور شفقت میں ریشم کی طرح نرم ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو ریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

خودی اور بے خودی کے اوصاف میں اقبال کے بے شمار بیانات ان کی تصانیف میں موجود ہیں اور متعدد اشعار ایسے اشعار ہیں جن میں خودی اور بے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

خودی کا نت نئے انداز میں والہانہ تذکرہ آیا ہے۔ اقبال کا یہ فلسفہ حیات یا پیغام خودی جس پر انہوں نے اتنا زور دیا ہے کہ اسے فرد وقوم کی بقا و ترقی کی اساس ٹھہرایا ہے۔ فرد کی خودی کا جوہر ملت ہی کے ساتھ مربوط ہو کر اپنے کمال کو پہنچا ہے۔ فرد و ملت ایک دوسرے کا آئینہ ہے۔ یعنی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ فرد کی عزت ملت کے تعلق سے ہے اور پوری ملت کا نظام افراد پر قائم ہے۔ فرد جب جماعت میں شامل ہوتا ہے تو گویا قطرہ پھیل کر سمندر بن جاتا ہے فرد ملت ہی کے ذریعے ماضی سے آشنا ہو جاتا ہے اس طرح حال کو ماضی کے ساتھ ایک ربط ملتا ہے اور مستقبل کے لئے ایک پُل کی حیثیت رکھتا ہے فرد تنہا ہو کر مقاصد سے غافل ہو سکتا ہے اور اس کا ذہن بگڑ بھی سکتا ہے مگر قوم اسے ضبط نظم سے آشنا کرتی اور اس کے اندر ایک نیا گلستان پیدا کرتی ہے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بحیثیت مجموعی فلسفہ خودی و بے خودی علامہ اقبال کی شاعری میں موتیوں کی طرح بکھرا پڑا ہوا ہے۔ اقبال کا فلسفہ درحقیقت فلسفہ خودی ہی ہے۔ ان کے نزدیک جوں جوں انسان اپنے خلق اور انائے مطلق کی مانند ہوتا جاتا ہے وہ خود بھی منفرد اور نادر ہوتا جاتا ہے۔ اسی کا نام استحکامِ خودی ہے۔ خدا کی مانند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو جذب اور منعکس کرتا چلا جائے۔ ہر وہ عمل جس سے خودی میں استحکام پیدا ہو خیر ہے اور ہر وہ کام جس سے خودی کمزور ہو جائے شر ہے۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

شوریدہ کاشمیری کی غزل گوئی

وادی کشمیر از قدرت حسین اور دلکش ہے۔اس وادی کے اندر آباد چھوٹے چھوٹے قصبے اورقریے اپنی اپنی الگ اور منفرد شناخت رکھتے ہیں۔شوپیاں وادی گلپوش کا ایک مشہور ومعروف علاقہ ہے۔یہ نگر پیر پنچال کے برف پوش پہاڑی سلسلوں کے درمیان آباد ہے۔شوپیاں کے سیب نہ صرف کشمیر بلکہ پوری دنیا میں نظیر نہیں رکھتے ہیں۔یہ علاقہ زرعی اعتبار سے کافی زرخیز ہے۔تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا کہ کشمیر کے اس خوبصورت سیب زار میں کئی نامور علمی ، دینی اور ادبی شخصیتیں پیدا ہوئیں ہیں جنھوں نے اپنے کارناموں سے اپنے علاقے کا نام روشن کیا ہے۔ایسی شخصیتوں میں ایک معروف نام غلام محمد شوریدہ کاشمیری کا ہے۔

شوریدہ کاشمیری ۱۸ مارچ ۱۹۲۴ء میں شوپیاں ضلع کے مشہور گاؤں پنجورہ میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔تعلیم کا آغاز روایت کے مطابق

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

قرآن شریف اور گلستان سعدی سے کیا۔ باقاعدہ تعلیم کے لئے اپنے گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخل کئے گئے جہاں سے انھوں نے پانچویں کا امتحان پاس کیا۔ شوپیاں کے مڈل اسکول سے آٹھویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنی تعلیمی پیاس کو بجھانے کے لئے شوریدہ کاشمیری نے سرینگر کا رخ کیا اور وہاں اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف۔ اے ایس پی کالج اور بی۔ اے امر سنگھ کالج سرینگر سے پاس کئے۔ بی اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ محکمہ فوڈ اینڈ سپلائز اور بعد ازاں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۵۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بحثییت پرائیویٹ امیدوار اردو میں ایم۔ اے کرنے کے بعد کالج لیکچرار کے عہدے پر ڈگری کالج اسلام آباد میں معمور ہوئے۔ ریاست کے مختلف کالجوں میں کام کرنے کے بعد آخر کار گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام آباد (کھنہ بل) سے ہی ۱۹۷۹ء میں پروفیسر کے منصب سے سبکدوش ہوئے۔ بحثییت معلم انہوں نے زیادہ وقت اسلام آباد میں ہی گزارا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسی شہر کو اپنا مسکن بنالیا اور یہی نئ بستی (اسلام آباد) میں آشیانہ بنایا جہاں پر تادم حیات رہے۔ وفات اور مدفن بھی اسلام آباد کی نئ بستی میں ہی ۱۹۹۱ء میں واقع ہوئی۔

شوریدہ کاشمیری گلستان شاعری میں اس وقت سیر کرنے کو نکلے جب سرینگر کے اسلامیہ اسکول میں انہوں نے داخلہ لیا۔ یہاں سے ان کے ادبی سفر کا آغاز ہوا جو آخری سانس تک جاری رہا۔ سرینگر میں شوریدہ نے درسی کتب کے ساتھ ساتھ خواجہ میر درد، میر تقی میرؔ، غالبؔ، اقبال اور حسرتؔ موہانی کے کلام کا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

بھی گہرا مطالعہ کیا۔اس طرح شوریدہ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور ان کے اندر پوشیدہ شاعر باہر آیا۔شاعری کا آغاز انہوں نے غزل گوئی سے کیا جب وہ ایس پی کالج میں زیر تعلیم تھے۔کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے ان کی غزلوں کو خوب داد دی جسکی بدولت ان میں شعر گوئی کی جانب دلچسپی میں اضافہ ہوا اور انہوں نے مشق سخن کو جاری رکھا۔

شوریدہ کاشمیری کا کل شعری سرمایہ ان کے دو مجموعوں ''جوشِ جنوں'' ۱۹۸۰ء اور ''جذبِ دروں'' ۱۹۸۸ء پر مشتمل ہے۔علاوہ ازیں ''خطاب خامہ'' (خطوط کا مجموعہ) اور ''کلمات نبوی'' احادیث کا منظوم ترجمہ (غیر مطبوعہ) ہے۔جوشِ جنوں اور جذبِ دروں میں شامل کلام غزلیات، منظومات، قطعات، رباعیات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔اور دونوں مجموعوں میں غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوریدہ کاشمیری اپنے جذبات کو انڈیلنے کے لئے غزل کے ساغر کا ہی زیادہ استعمال کرتے تھے۔راقم بھی شوریدہ کاشمیری کی غزل گوئی کو اپنے مضمون میں سمونے کی ادنیٰ سی کوشش کر رہا ہے۔
غزل سے اپنی شاعری کی ابتدا کرنے والے شوریدہ کاشمیری نے اس صنف سخن میں اتنی مشق بہم پہنچائی ہے کہ آج ان کا شمار ریاست جموں وکشمیر کے اُستاد غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔اردو زبان اور شاعری سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔شاعری میں غزل ان کے مزاج سے خاص مناسبت رکھتی ہے۔جس کا اعتراف خود انہوں نے رفیق خاورؔ کے نام لکھے ایک خط میں اس طرح کیا ہے۔

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''اپنی افتادطبع اور فطری سوز و گداز کے سبب غزل گوئی پر

مجبور ہوئے۔'' [1]

غزل گوئی کا باقاعدہ آغاز شوریدہ کاشمیری نے کالج کے زمانے میں کی اور ابتداً ڈاکٹر عبدالحکیم اور اثر صہبائی نے ان کی غزلوں پر اصلاح فرمائی۔ لیکن انہوں نے باقائدہ کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی ہے۔ البتہ اردو کے بزرگ شعراً کے کلام کا بہ دستور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور خود ہی مشق سخن جاری رکھی جس کی بدولت ان کا کلام نکھرتا گیا۔ ان اشعار میں اسکی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

کس کی شاگردی کیسی استادی
حق تعالیٰ تھا رہنما فی الشعر
ہاں جو اسلاف کا تھا سرمایہ
جوہر اس کا سمو دیا فی الشعر

شوریدہ کاشمیری اردو شاعری کی کلاسکی قدروں کے پاسدار اور پرستار نظر آتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ اُن کا اردو کے کلاسکی شعرا دردؔ، میرؔ، غالبؔ، اقبال وغیرہ کے کلام کا غائرانہ مطالعہ ہے۔ انہی بزرگ شعرا نے شوریدہ کاشمیری کو اردو زبان اور شاعری کی طرف مائل اور متاثر کیا ہے۔ اختر محی الدین کے نام لکھے گئے ایک خط میں اس بات کی تصدیق اس طرح کرتے ہیں:

''میرے محبوب شعرا کون ہیں اور میں اردو میں کیوں لکھتا ہوں؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ طالب علمی کے ابتدائی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

زمانے سے ہی کئی شعرا کا کلام میرے لیے دامن کش دل
تھا۔ خواجہ میر درد، میر تقی میر، مرزا غالب، علامہ اقبال
وغیرہ سے خاص طور متاثر رہا ہوں۔ اردو سے مجھے بچپن
ہی سے فطری مناسبت تھی۔'' ۲

غزل اردو شاعری کی وہ صنف سخن ہے جو ہر زمانے کے نشیب وفراز سے گزرنے کا دم خم رکھتی ہے اگر چہ اس پر کئی اعتراضات بھی کئے گئے لیکن یہ ہر دور اور ہر زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر پہلو بہ پہلو چلتی رہی اور اپنے وجود کو آج اکیسویں صدی میں بھی پوری توانائی کے ساتھ قائم رکھی ہوئی ہے۔ شوریدہ کاشمیری نے جب شاعری کی دنیا میں قدم رکھا اس وقت ترقی پسند تحریک کا دور دورہ تھا اور غزل کی جانب بے توجہی برتی جاتی تھی۔ لیکن موصوف نے اس تحریک اور دیگر اصناف سخن سے قطع نظر صنف غزل کے گیسو سنوارنے کو ہی ترجی دی۔ قرطاس غزل پر ہی شوریدہ نے اپنے جذباتِ دل رقم کیے۔ ان کی شاعری سچے اور دردمند دل کی غم انگیز پکار ہے اس میں جھوٹ اور مبالغہ کی ذرا برابر بھی آمیزش موجود نہیں۔ موصوف نے اس خیال کا اعتراف اپنے ایک خط بنام مظفر عازم میں برملا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

''میں صرف اس قدر کہنا جانتا ہوں کہ میری شاعری
جھوٹ موٹ کا رونا دونا اور خیالی عشق بازی نہیں۔ اس
میں قلبی واردات ہیں۔ گذشتہ دو تین سال سے اس میں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تغیر آرہا ہے۔اس میں سیاسی، دینی، اخلاقی اور دوسرے
خیالات بھی نظم ہوتے رہتے ہیں لیکن میں اپنے شعر کو وہ
تشکیل دینا نہیں چاہتا جس سے ظاہر ہو کہ یہ پروپیگنڈا
ہے۔"۴

درج بالا خط کے اس اقتباس کو اگر غور سے پڑھا جائے تو اس سے شوریدہ کی غزلوں کے موضوعات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔یعنی ان کی غزلیں کسی مخصوص موضوع تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کے یہاں موضوعات کا تنوع موجود ہے جس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

لو لگانا خدا کے بندوں سے
لو لگانا خدا سے ہوتا ہے

مجھے حاصل ہے سرمستی ازل سے
رہینِ بادہ و ساغر نہیں ہوں

عاشقو عشق میں کمال کرو
دل کو شایانِ ذوالجلال کرو

بار احسان اٹھا نہیں سکتی
اتنی نازک ہے مفلسی میری

یگانے بھی بے گانے اب ہو رہے ہیں
سیاست کی شیطانیاں دیکھتا ہوں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جسکو کہتے ہیں لکشمی دیوی
سن کے آہٹ میری سٹکتی ہے
لیاقت کی بس کسوٹی آج ہے زر
جوانوں کی فکر و نظر لوٹتے ہیں

غم و الم اور دردِ دل شوریدہ کی غزلوں کا سب سے فعل اور متحرک موضوع ہے۔ جس کو موصوف نے نت نئی تراکیب کی بدولت سینکڑوں طرح سے اشعار میں باندھا ہے۔ اور ہر بار ایک اچھوتا اور انوکھا تجربہ خلق کیا ہے۔ شوریدہ کی زندگی بڑی تکلیف اور پریشانیوں میں گزری ہے اس وجہ سے غم ان کی زندگی کا ایک ناگزیر حصہ بن گیا۔ اور اس غم کو غلط کرنے کے لئے وہ غزل کے ساغر میں اس کو بار بار چھلکاتے ہیں۔ شوریدہ کا غمخوار کوئی اور نہیں بلکہ غزل ہے جو اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو چند اشعار:

شعر نہ کہیئے تو کیا کیجئے شوریدہ
ساغر غم چھلکانے کی لاچاری ہے
شاعری شوریدہ ہے دل کی دوا
ہم ذرا کرتے ہیں اس سے غم غلط
بسکہ دنیا غموں کی ماری ہے
زندگی آدمی پہ باری ہے
ہجوم غم کی ہے یلغار دل پر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

مگر پھر بھی دم خم ہے باقی
دل ہمارا مبتلائے درد ہے
شعر جو ہے نوائے درد ہے
نہ ساز دل پے ہو مضراب غم تو
کہاں کوئی خدا کا نام لے گا

دو جہاں کے دردوغم جس میں جذب ہوتے ہیں:

شاعری کو شوریدہ ایسی اک دوا پایا
داغ دل ہے حاصل عمر عزیز
یہ عطائے بے بہائے درد ہے
غم کے تیروں سے ہوگئے چھلنی
تازہ قلب و جگر کہاں سے لاوں
بٹ گیا اشعار میں شوریدہ غم
شاعری غمخواری ہوکررہ گئی

شاعری ایک مشکل فن ہے یہ ہرایک کے بس کی بات نہیں یہ کافی محنت، ریاضت اور ذکاوت کا تقاضا کرتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ نہایت ہی صبر آزما فن ہے۔ اس کے اسرارورموزتک رسائی حاصل کرنے کے لئے سعی مسلسل لازمی ہے۔ شوریدہ کاشمیری نے بھی شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اپنی بعض غزلوں میں کچھ اس طرح کیا ہے:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

حسن و خوبی کی ہے شیدا شاعری
خود بہ خود ہوتی ہے پیدا شاعری
پھوٹ نکلے دل کے تحہ خانے سے جو
ہے حقیقت میں وہ اعلیٰ شاعری
خون ہوتا ہے جب شاعر کا جگر
ہوتی ہے رنگین و رعنا شاعری
شعر سے کیوں نہ کیف و گرمی ہو !
دل سے یہ مے کشید ہوتی ہے
نشا اس کا شوریدہ ہے دیر پا
سخن ہے شراب کہن کی طرح
شوریدہ ہے شاعری تری کیا
خیر و حق و حسن کی ادا بند

عشق اور عقل کی معرکہ آرائی کی مرقع کشی کو متعدد شعرأ نے اپنے اپنے تجربات کے مطابق اشعار کے قالبوں میں ڈھالا ہے جن میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے۔عشق اور عقل کے اس تصادم میں اقبال عشق کو عقل پر فوقیت دیتے ہیں۔اس سلسلے میں علامہ کی نظم ''ذوق وشوق'' کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہو:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہوتو شرع و دین بت کدہ تصورات

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بو لہب

اقبال کے کلام نے ان کے عہد سے لیکر موجودہ دور تک لا تعداد شعرا اور دانشوروں کو متاثر کیا ہ ہے۔ وادی کشمیر میں بھی اقبال اور ان کے کلام کے شیدائیوں کی کثیر تعداد موجود ہے جن میں شوریدہ کاشمیری بھی ایک اہم نام ہے ۔انہوں نے بھی اقبال کی طرح عشق اور عقل کے اس ازلی کشاکش کو موضوع سخن بنایا اور اقبال ہی کی طرح وہ بھی عشق کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

باوجود یہ کہ باریاب ہے عقل
عشق عالجناب کی ہے کنیز
عشق کے آس پاس ہے وہ شے
عقل سے جو بعید ہوتی ہے
بسکہ ہر پھر کے عقل آخر ہیں
عشق ہی کی مرید ہوتی ہے
عقل خانۂ دل کی ہے اگر چہ کدِ بانو
عشق کو تو اس گھر کا ہم نے خدا پایا
تیرے بھید کو پا سکے عشق بس

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

خرد بھی ہے دیوانہ پن کی طرح

انسان جس جگہ اور جس ماحول میں رہتا ہے اس کا اثر اس کی زندگی پر ضرور پڑتا ہے۔ کشمیر گذشتہ چار پانچ دہائیوں سے جس صورت حال سے نبرآزما ہو رہا ہے اس سے یہاں کا ہر خاص و عام متاثر ہوا ہے۔ شاعر جو عام انسانوں سے زیادہ حساس ہوتا ہے اس کے دل و دماغ پر اور بھی زیادہ اثر پڑتا ہے۔ شوریدہ کاشمیری نے بھی اپنے گرد و نواح میں روز افزوں رونما ہونے والے حالات و واقعات کو اپنے کلام میں اس طرح سے پیش کیا ہے:

کس کا باغ، کیسا گلشن، کون چمن کا ہے کی بہار
مرغانِ چمن اپنے چمن میں گھرانے سے لگتے ہیں
مظلوموں معصوموں کا جب خون بہاتے ہیں ظالم
اپنے زخمِ جگر بھی پیہم مسکانے سے لگتے ہیں

جتنے بھی تھے قوم کے جگر بند
وہ اہلِ نظر ہوئے نظر بند
ہم اپنے ہی گھر میں ہیں گرفتار
دنیا نے کیا ہے ہم پہ در بند
کتنے ہیں ادھر گھروں میں جا بند
اور اُن کے عزیز اُدھر جدا بند
جیتے ہیں یوں کہ تن کے کپڑوں کو

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

بسکہ اپنا کفن سمجھتے ہیں

شوریدہ سیدھی سادی وضع قطع کے انسان تھے۔ وہ قلندرانہ شخصیت کے مالک اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔ نام ونمود کی کبھی پروانہیں کی ،صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔ تصوف کے موضوع پر بھی ان کی بعض غزلوں میں متعدد اشعار ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

کیا کہے کوئی کیا تصوف ہے
حضرت عشق کا تلطف ہے
اک تصوف ہے نفس کی تہذیب
اک تپسیا ہے اک تقشّف ہے

خیر سے ہو خداوندا پار اپنا بیڑا
جن کو نا خدا سمجھا اُن کو بے خدا پایا

اقلیم الفت کا ہوں سکندر دارا کی شوکت کو کیا کروں گا
سب سے بڑی دل کی سلطنت ہے دنیا کی دولت کو کیا کروں گا

عطا کی بے طلب ہی جان جس نے
نہ جانے اس کے وہ کیا دام لے گا

مظہر امام کلام شوریدہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''شوریدہ کاشمیری کی دلچسپیاں مختلف النوع ہیں۔ وہ مزاجاً صوفی صافی ہیں اور تصوف سے خاص شغف رکھتے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہیں۔ اس کا اظہار ان کے کلام میں بھی ہوتا رہتا ہے۔"

ہے

شوریدہ کاشمیری نے اپنے کلام میں تراکیب اور پیکروں کا استعمال بھی خوب کیا ہے۔ انہوں نے دلکش اور دلفریب ترکیبوں کی بدولت اپنی غزلوں کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔ انہوں نے نت نئی تراکیب کو بڑی فنکاری اور خوش اسلوبی سے برتا ہے۔ ان ترکیبوں کے استعمال سے ان کے کلام میں نغمگی اور ترنم پیدا ہوا ہے۔ شوریدہ کی تخلیق کردہ چند تراکیب کو یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو کہ اس طرح سے ہیں:

صہبائے سخن، دل صد پارہ، حریم ناز، نواگران چمن، مصحفِ روئے یار، اقلیم الفت، ذوقِ سجدہ، آبِ حیوان، نسم شوخ، گلستانِ دل، گنجِ شہیداں، بختِ خوبیدہ، حورِ آزادی، دل تپیدہ، عشقِ عالیجناب، مجسمِ غزل، مناجاتِ قلم، وادیِ مجنون، محفلِ رنداں، بتانِ سنگدل، کانِ بلّور، پردۂ کائینات، مینائے سخن، سجدہ کناں، یغمائے دل، شبِ وارِدات، چشم عبرت، مضراب غم، ذہنِ رسا، طفلانِ طالف، نعیم زائل، بیدار دل، سعئ لاحاصل۔ وغیرہ اس طرح کی اور بھی متعدد تراکیب شوریدہ کی غزلوں میں جابجا نظر آتی ہیں۔ جس سے صنفِ غزل اور اس کے فنی اسرار و رموز سے شوریدہ کی آگہی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے ہندی الفاظ کا استعمال موقع و محل کی مناسبت سے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ بھاشن، بالم، لکشمی، ساجن، جیون، سرسوتی، پجاری، درشن، داتا اور اس

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طرح کے بہت سے ہندی الفاظ کلامِ شوریدہ میں درآئے ہیں۔

شوریدہ کاشمیری نے اپنے وطن عزیز کی جغرافیائی انفرادیت کو ملحوظ نظر رکھ کر یہاں کے بہار، خزاں اور زمستان کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ جہاں بہار کے موسم میں کشمیر کا ذرا ذرا شاداب و سیراب نظر آتا ہے۔ طرح طرح کے پھول اور چارسو پھیلی ہریالی اس کو قابلِ دید بناتا ہے۔ وہی سردیوں میں برفباری کی وجہ سے گھروں میں مقید ہونا اور کانگڑی کے سہارے شب و روز گزارنا بھی باشندگانِ کشمیر کا معمول رہا ہے۔ اس سلسلے میں شوریدہ کے چند اشعار دیکھئے:

یہ کاشمیر ہمارا ہزار شیوہ ہے
کہ اس چمن کی خزاں بھی بہار شیوہ ہے
شگوفہ و گل و غنچہ کی دیدنی ہے بہار
شجر شجر کا بناؤ سنگار شیوہ ہے

ابھی ہے چھاؤ ابھی دھوپ ابھی گھٹا ابھی مینہ
مزاج حُسن بھی کیا بے شمار شیوہ ہے
جمالِ سبز کی جلوہ گری ہے فصلِ بہار
جہاں بھی سبزہ ہے گیسوئے یار شیوہ ہے

آج بھی جوشِ برف و باراں ہے
نو بہار آخرِ زمستاں ہے
ختم گھر کا تمام ساماں ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کیا بیاباں کیا خیاباں ہے

عود آئی ہے یک بیک سردی

جو ہے سو کانگڑی بداماں ہے

بہر کیف شوریدہ کاشمیری کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع اور فنی بصیرت بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ کشمیر میں اردو غزل کی تاریخ شوریدہ کاشمیری کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہوگی۔ انہوں نے اس صنف سخن کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ زندگی کے کھٹن حالات وواقعات سے نبرآزما ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بھی شا بہر کیف شوریدہ کاشمیری کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع اور فنی بصیرت بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ کشمیر میں اردو غزل کی تاریخ شوریدہ کاشمیری عری کا ساتھ نہیں چھوڑا جو ایک اچھے فنکار کی اپنے فن کے تیئں محبت اور خلوص کا ثبوت ہے۔ آخر پر موصوف کے دوشعر جو صنف غزل کی جانب انکی محبت کو آئینہ کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

شوریدہ رنگ لایا جذبہ دروں یہ کیسا

ساز غزل پہ چھیڑا ہے تذکار زندگی کا

دل ہے شوریدہ تیرا دولھا سا

اور صنف غزل دولہن سی ہے

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

حواشی :

۱۔ ''خطاب خامہ'' (۱۹۸۶) شوریدہ خط بنامِ رفیق خاور مدیر ''ماہ نو'' کراچی

۲۔ ''خطاب خامہ'' (۱۹۸۶) شوریدہ خط بنامِ اختر محی الدین۔ ص ۴۸

۳۔ ''خطاب خامہ'' خط بنام مظفر عازم۔ ص ۳۷

۴۔ ''جذبِ دروں'' دیباچہ مظہر امام۔ ص ۱۱

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کرشن چندر کے فکشن میں کشمیر کی عکاسی

''کرشن چندر ایک آئینہ خانہ ہے جس میں ادب خود اپنا چہرہ دیکھ رہا ہے''

(مدن موہن شرما)

اُردو کے بلند پایہ فکشن نگاروں میں کرشن چندر ایک درخشاں ستارے کے مانند ہیں۔ پریم چند کے بعد اُردو فکشن میں دوسرا بڑا مقام کرشن چندر کا ہے۔ انہوں نے اردو ادب کی بے لوث خدمت کی ہے۔ جو کہ نا قابل فراموش اور ان کی سدا بہار مقبولیت کی ضامن ہے۔

کرشن چندر ۲۳ نومبر ۱۹۱۳ء کو (بھرت پور) راجستھان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گوری شنکر پیشے سے ڈاکٹر تھے۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں پونچھ (جموں و کشمیر) کے راجہ بلدیو سنگھ کے دربار میں بحیثیت ڈاکٹر منسلک ہو گئے۔ اس وقت کرشن چندر کی عمر صرف پانچ برس کی تھی۔ یہیں پر ان کا بچپن گزرا۔ اور پونچھ میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ پونچھ شہر میں گزارے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اپنے بچپن اور لڑکپن کے ماہ وسال کو کبھی نہیں بھولے۔ چنانچہ اس کا اعتراف اپنی ایک کہانی ''مٹی کے صنم'' میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''میں ایک شہر پونچھ۔ کوئی بڑا مضبوط شہر نہ تھا میں تو نہایت شفاف اور حساس شہر تھا۔ میں نے خوشی دیکھی تھی۔ اعتماد و بھروسہ اور محنتی ہاتھوں کا لمس مجھے حاصل تھا۔
۔۔ کتنے ہی راستے ہیں میرے اندر پونچھ کی طرف جاتے ہیں۔ میں جدھر سے جلتا ہوں پونچھ پہنچ جاتا ہوں۔''

اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کرشن چندر لاہور چلے گئے اور وہاں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ لیکن پڑھائی کے دوران بھی وہ اپنے والدین کے پاس آتے رہتے تھے۔ یہ ان کی زندگی کا وہ زمانہ تھا۔ جب وہ لڑکپن سے جوانی کے پُرشباب دور کی طرف گامزن ہو رہے تھے۔ کرشن چند مزاج سے رومان پرست واقع ہوئے ہیں۔ اور کشمیر کا ماحول ان کی طبعیت کو پوری طرح راس آیا۔ انہوں نے اپنی متعدد کہانیوں میں کشمیر کے خوبصورت نظاروں کی عکاسی کی ہے۔ کرشن چندر نے کشمیری عوام کی زندگی کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔ جہاں انہوں نے یہاں کے خوبصورت قدرتی نظاروں، فلک بوس برفیلے پہاڑوں، سبزہ زاروں، آبشاروں، لالہ زاروں، وادیوں، ندی نالوں اور گھنے جنگلوں کو دیکھا تو دوسری طرف وہ یہاں کے لوگوں کے خلوص ومحبت، انسان دوستی، سادگی و بھائی چارگی، حاکموں اور راجاؤں کے ظلم وستم اور غریبوں اور ناداروں کے استحصال

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کے بھی چشم دید گواہ ہیں۔اس سلسلے میں کے۔ڈی۔مینی اپنے ایک مضمون ''کرشن چندر کی تخلیقات میں کشمیر کی عکاسی'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''کرشن چندر نے پونچھ میں آکر ہوش سنبھالا بچپن اور لڑکپن کی بہاریں دیکھی فطرت کی آسودگی دیکھی ،کشمیر کا بے میل حُسن دیکھا۔اپنے اندر محبت کی پہلی کرنوں کا نور دیکھا ،حاکموں کے جبر دیکھے ،محکوموں کا جبر دیکھا۔جاگرداروں کا رعب دیکھا۔سر بلند پہاڑوں کا غرور دیکھا ،جھیلوں کی شفافیت اور جھرنوں کا رقص دیکھا۔وادیوں ،گھاٹیوں ،ڈھوکوں اور مرگوں میں پھیلی بکھری ہوئی کشمیر کے عوام کی زندگی سے متاثر ہوئے۔ان کی خوشیاں اور غم دیکھے۔''

ماہنامہ ''شیرازہ'' سرینگر، جلد ۱۵ شمارہ ۵

کرشن چندر اردو کے بسیار نویس فکشن نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔انہوں نے تیں سے بھی زیادہ افسانوی مجموعے اور متعدد ناول اور ڈرامے یادگار چھوڑے ہیں۔ان میں کئی ناول اور افسانے ایسے ہیں جن میں کرشن چندر کشمیر کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ایسے ناولوں میں شکست ،میری یادوں کے چنار ،زرگاوں کی رانی ،طوفان کی کلیاں ،مٹی کے صنم اور سپنوں کی وادی۔افسانوں میں گرجن کی ایک شام ،آدھے گھنٹے کا خدا ،سڑک کے کنارے ،جہلم میں ناؤ پر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

، آنگی، پورے چاند کی رات، جھیل سے پہلے جھیل کے بعد اور کشمیر کو سلام قابلِ ذکر ہیں۔

کرشن چندر نے متذکرہ بالا کہانیوں میں کشمیر کی ایسی خوبصورت اور دلکش تصویر کشی کی ہے کہ قاری خیالوں میں خود کو کشمیر کے حسین اور خوشنما وادیوں میں محسوس کرتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظ ہوں:

''گرجن کا مقام گرمیوں میں رہنے کے لئے بہترین جگہ ہے گرجن گلمرگ سے بہت نزدیک ہے۔ گرجن میں کہیں کہیں برف کے ٹیلے ہیں تو کہیں ایسے ہموار تلے جن پر گرمیوں میں ریشم کی طرح نرم اور ملائم گھاس اگتی ہے''

(گرجن کی ایک شام)

''سیب کے درختوں میں پھول آئے ہوئے تھے۔ کچی سبز ناشپاتیاں لٹک رہی تھیں اور کھیت مکئی کے پودوں سے ہرے مخمل بنے ہوئے تھے۔''

(آنگی)

''اپریل کا مہینہ تھا بادام کی ڈالیاں پھولوں سے لدگی تھیں اور ہوا میں برفیلی خنکی کے باوجود بہار کی لطافت آگی تھی ۔۔۔ کشتی خوبانی کے ایک پیڑ سے بندھی تھی۔ جو بالکل جھیل کے کنارے اُگا تھا ۔۔ خوبانیوں میں گٹھلیاں ہوں گئی تھیں اور خوبانیوں کا رنگ ہلکا سنہرا ہونے لگا تھا۔''

(پورے چاند کی رات)

''گلمرگ کی شفق مجھے پسند ہے اور یہاں سے تو شفق کا منظر بہت بھلا معلوم ہوتا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

تھا۔‘‘

(بالکونی)

جہاں ایک طرف کرشن چندر کشمیر کی خوبصورتی کو اپنے افسانوں اور ناولوں میں سموتے ہیں وہی دوسری طرف وہ یہاں کی غلام قوم کی بدحالی اور بدنصیبی کی تصویرکشی بھی کرتے ہیں چونکہ کرشن چندر کا تعلق ترقی پسند تحریک سے رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ یہاں کی مظلوم عوام کے دُکھ درد کو اپنی کہانیوں میں پیش نہ کرتے ۔ان کی بیسوں کہانیوں میں کشمیر کی غریبی اور مفلسی ،سیاسی زیادتی ،ظلم و جبر ،سماجی نابرابری ،معاشی بدحالی کے دل دوز موضوعات بھی نظر آتے ہیں ۔جس سے ان کی انسان دوستی ،ہمدردی اور ایثار ومحبت پتہ چلتا ہے۔جس کا اعتراف وہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

’’آج بہت دنوں بعد سر کلر ورڈ گلمرگ کی سیر کو نکلا ہوں۔ یہ جنگل خاموش ہے۔ کشمیر کی وادی پر سورج غروب ہو رہا ہے ۔یہ جنگل کیوں خاموش ہیں ۔اس ودای کی قسمت کیوں خاموش ہے۔یہ جنگل اپنے بیٹوں کے لئے نہیں بولتا ۔اس جنگل کا شہد، اس کے اخروٹ اس کے سیب ،اس کی لکڑی ،اس کا ریشم ،اس کی خوبصورتی اور رعنائی اس کی کوئی چیز بھی اپنے بیٹوں کے لئے نہیں ہیں۔ یہ کیسی خدائی ہے۔ یہ جنگل کیوں خاموش ہے ۔یہ اپنے بیٹوں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سے کیوں نہیں کہتا کہ تم سیب کھاو، گھوڑے کی سواری کرو
، دندناتے پھرو، یہ زمین تمہاری ہے یہ آسماں تمہارا ہے
اور اگر یہ تمہارا نہیں ہے تو آو اس ساری وادی کو جھیل بنا
دیں جس کے پانیوں میں انسانی بے رحمی کے جہنمی اور
وحشی گھروندے فنا ہو جائیں۔''

(سڑک کے کنارے)

کرشن چندر ممبئی کی مصروف زندگی میں بھی کشمیر میں گزارے اپنی زندگی کے قیمتی ایام کو نہ بھول سکے۔ وادی کشمیر سے ان کی والہانہ محبت کا اندازہ ان کی کہانی ''کشمیر کو سلام'' کو پڑھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس میں وہ کشمیر کو اپنی ماں گردانتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''کشمیر کی دھرتی میری ماں ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ماں
کے قدموں میں جنت ہوتی ہے۔ یہ بات کہ کشمیر جنت
نظیر ہے مجھے اُس وقت تک معلوم نہ ہوئی جب تک کہ اس
جنت سے مجھے باہر نہیں نکالا گیا۔ شاید جنت انسان کے
دل کے باہر نہیں بلکہ اندر ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تب بھی
مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ میرے دل کے اندر جو جنت
ہے وہ کشمیر ہے۔''

کشمیریوں کی محنت اور جدوجہد، حالات کے نشیب و فراز کا سامنا کرنے کی قوت

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

پر کرشن چندر کو ہمیشہ رشک کرتے تھے۔ ماضی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے اپنے افسانے ''سڑک کے کنارے'' میں لکھتے ہیں:

''ہاں یہ میرا وہی جانا پہچانا کشمیر جس کے بیٹوں نے ہزار مصیبتوں کے ہوتے ہوئے بھی اپنی حُسن کاری نہیں کھوئی اپنے گیت نہیں کھوئے، زندہ رہنے کی آرزوں اور محنت کرنے کی اُمنگ نہیں کھوئی۔''

کشمیری صدیوں سے غلامی کی زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے کی یہاں کی عوام اس کے خلاف سراپا احتجاج نہیں کرتی۔ وہ ایک تابناک مستقبل کی امید میں مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس حوالے سے بھی کرشن چندر نے اپنی کہانیوں میں یہاں کے باشندوں کی امنگوں اور آرزوں کو سراہا ہے۔ ''کشمیر کو سلام'' کے درجہ ذیل اقتباس سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''کشمیر ہمیشہ جنت نظیر رہے گا۔ اس خاک اور خون میں لتھڑی وادی کو اس کے بچے پھر بسائیں گے، آلوچے کے پیڑ میں پھر سے پھول کھلیں گے۔ مکئی کے کھیتوں میں سنہرے دانے والے بھٹے پھر سے نظر آئے گے۔ مٹی کے پیالے میں چاول اور ساگ اور مکھن ہوگا۔ بہنوں کی ہنسی ہوگی اور بھائیوں کے قہقہے ہوں گے''

بہر کیف کرشن چندر اور کشمیر اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور اگر یہ کہا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جائے کہ کشمیر کرشن چندر کے فکشن کا سب سے توانا موضوع رہا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ آخر پر اپنے مضموں کو ڈاکٹر سنبل نگار کی اس رائے پر ختم کرتا ہوں:

''کشمیر کی حسین وادی میں کرشن چندر کی عمر کا ابتدائی حصہ گزرا اور ان رگ و پے میں اس وادی کے مناظر اور یہاں کا حسن سرایت کر گیا۔ ساری زندگی وہ جن حسین مناظر کی تصویر کشی کرتے رہے ان کا نقش کشمیر کے زمانہ قیام میں ہی ان کے دل و دماغ پر بیٹھ گیا تھا''

اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، سنبل نگار، ص ۵۵

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طالب کشمیری کی نظم نگاری

کشمیر میں ۱۹۴۷ء سے پہلے تک جن شعراء نے اردو شعروادب میں ریاست کے علاوہ ملکی سطح پر بھی اپنی انفرادیت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی ہیں ان میں شہ زور کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، شوریدہ کاشمیری، غ۔م طاؤس کے علاوہ طالب کشمیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان حضرات نے اردو شعروادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر کے اردوادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔ان شعراء میں طالب کشمیری کو صنف نظم کو برتنے میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔

طالبؔ کشمیری کا پورا نام پنڈت نند لعل کول تھا، پہلے دلبرؔ تخلص کرتے تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے ادبی حلقوں میں وہ طالبؔ کشمیری کے نام سے مشہور ہوئے۔طالبؔ کشمیری پنڈتوں کے ایک ذی اثر اور معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ان کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۹۹ء میں سری نگر میں ہوئی۔طالبؔ کے آباواجداد ریاستی سرکار کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ان کے دادا دیوہ کاک کول اپنے وقت کے سربرآوردہ عالم، اچھے خوش

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نویش اور مصور بھی تھے۔ انھیں موسیقی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ وہ سنسکرت اور عربی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ طالبؔ کے والد پنڈت ٹھاکر پرشاد کول بھی سنسکرت عالم اور خوش نویش تھے۔ لہذا علم وادب اور شاعری کا ماحول طالبؔ کشمیری کو ورثہ میں ملا تھا، اور اس ذوق کو انھوں نے اپنے وقت کے تقاضوں کے عین مطابق نئی راہوں سے آشنا کیا۔

طالبؔ نے ابتدائی تعلیم سرینگر کے مقامی اسکول سے حاصل کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں انھوں نے ایم اے فارسی کے علاوہ اردو کے مختلف امتحانات بھی پاس کیے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ سری پرتاب کالج میں اردو اور فارسی کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ پھر ترقی کرتے کرتے پروفیسر کے عہدے پر مامور ہوئے۔ اپنی ملازمت کے طویل سفر کے دوران طالبؔ کشمیری سینکڑوں نوجوانوں کے ذوق شاعری اور ذوق فن کی آبیاری کرتے رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کی علمی اور عملی مشاغل جاری رہے، اور وہ کئی ادبی اداروں اور انجمنوں کے رکن رہے۔ طالبؔ کشمیری آخری عمر تک اردو زبان وادب خاص کر شعروشاعری کی آبیاری کرتے رہے، اور بالآخر ۱۹۷۱ء میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

طالبؔ کشمیری نے اگرچہ روایت کے مطابق اپنی شاعری کی شروعات غزل گوئی سے کی اور بہت مدت تک وہ روایتی انداز میں غزل کہتے رہے، لیکن ایک دور ایسا بھی آیا جب انھوں نے غزل گوئی ترک کر کے نظم نگاری پر توجہ

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

مرکوز کی اور اپنے عہد کے معتبر نظم گو شعرا میں شمار ہونے لگے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''طالبؔ کی شاعری کا آغاز ان کے زمانے کے رواج کے مطابق ہوا۔ ابتدائی دور کی روایتی غزل سے ترقی کرتے ہوئے وہ اصلی مزاح کے مطابق غزل کہتے رہے، اور آخری دور میں نظمیں بھی لکھی۔''

عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، حصہ دوم، ص ۳۲۹

طالبؔ کی شاعری کے اب تک دو مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ''رشحات التخیل''ہے، جو ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں غزلوں کے علاوہ مناظر قدرت، قومی اور مذہبی موضوعات پر لکھی ہوئی نظمیں بھی شامل ہیں۔ طالبؔ کی شاعری کا دوسرا مجموعہ ستائیس سال کے ایک طویل عرصے کے بعد ۱۹۵۲ء میں ''مرقع افکار'' کے نام سے شائع ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس مجموعے میں شامل تمام کلام نظموں پر مشتمل ہے، جسے طالبؔ کی نظم نگاری سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

طالبؔ کشمیری نے شاعری کی شروعات غزل گوئی سے کی، جس میں حسن وعشق، گل وبلبل اور ہجر ووصال کے موضوعات نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی غزلوں میں کشمیر کے سیاسی اور معاشی حالات کی بھی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ طالبؔ کی شاعری اسی عہد کی پیداوار ہے۔ ان کی غزلوں کا اسلوب نہایت

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سادہ اور دلکش ہے۔ان میں ایک موسیقیت اور ترنم پایا جاتا ہے۔ان کی ابتدائی غزل گوئی کا ایک نمونہ مثال کے طور پر پیش ہے۔

گیا دل ہاتھ سے اور دل مستان کے ہاتھ کیا آیا
اڑا آنکھوں میں مطلب، رازداں کے ہاتھ کیا آیا
میری آنکھوں میں حسن یار کی تصویر پنہاں تھی
تو میرے روکنے سے پاسباں کے ہاتھ کیا آیا

دراصل طالبؔ کا اصلی میدان غزل نہیں بلکہ نظم نگاری تھا اور ان کی نظمیں اپنے دور کی فکری نمائندگی کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ چونکہ غزل کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں اور ہر شعر کا الگ مضمون ہوتا ہے اس لیے غزل کے برعکس نظم کہنا آسان ہوتا ہے، اور اس میں شاعر کا تسلسل بھی برقرار رہتا ہے، اور شاعر اپنی بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔اس لیے طالبؔ غزل کے بجائے نظم نگاری سے زیادہ متاثر ہوئے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ طالبؔ کشمیری کو نظم نگاری کے لیے جن خیالات اور مناظر قدرت وغیرہ کی ضرورت تھی، وہ کشمیر میں وافر مقدار میں دستیاب تھے۔ یہاں کی خوبصورتی ،قدرتی مناظر، ڈھل جھیل، خوبصورت باغات، آبشار اور ندی نالے، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے علاوہ کشمیر کے دیگر حسن کی رعنائیوں پر لکھنا گویا طالبؔ کشمیری کا اولین فریضہ تھا۔

طالبؔ کشمیری کشمیر کے ان گوشوں کے متعلق کئی نظمیں لکھی ہیں۔جن میں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''بہار کشمیر، اہرہ بل کی سیر، آبشار اور میں'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ نظم بہار کشمیر میں انھوں نے شالیمار اور ہارون کے حسن و دلکشی کو جن الفاظ میں پیش کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ نظم کا آغاز آرزومندی سے کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

شکست آرزو تھی لطف بہار دیکھوں
کاشانۂ چمن کے نقش ونگار دیکھوں
باغ نشاط میں ہو دل کو نشاط حاصل
تازہ نسیم ڈل ہو اور شالیمار دیکھوں

اور جب شاعر ان جگہوں پر پہنچتا ہے تو وہاں کی منظر کشی ان اشعار میں کرتا ہے۔

چھائی ہوئی گھٹائیں گھنگھور آسماں پر
برسا رہی تھیں موتی ابر بہار ہو کر
سروسہی کی شاخیں تھی جھومتی ہوا سے
یا کوئی لڑکھڑاتا تھا بادہ خوار ہو کر

مناظر کی یہ کیفیت شاعر کو ان میں گم ہونے پر اکسا رہے ہیں۔

جلوت میں نور کثرت، کثرت میں عین وحدت
آنکھوں میں آسمائے عیار یار دیکھو
نقش دوئی مٹادوں، کثرت سے دل ہٹادوں
قدرت سمائی مجھ میں، قدرت میں میں سماؤں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طالبؔ کی غزلیں ہو یا نظمیں ان میں کہیں پر بھی سوقیت اور ابتذال نہیں پایا جاتا ہے۔خیال کی وسعت، بیان کی متانت، زبان کی برجستگی ان کے کلام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ان کی نظموں کے موضوعات متنوع ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری میں ایک نیا رنگ سمو دیا ہے۔ان کے کلام کی خصوصیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے پنڈت علامہ دتاتریہ کیفیؔ لکھتے ہیں:

''طالبؔ کے کلام میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر طرز میں اپنا رنگ جما سکتے ہیں۔احساس قلبی کی تصویر کھینچنے میں ان کو کمال کا درجہ حاصل ہے، یہی حال حقائق نگاری کا بھی ہے۔''

طالب کشمیری، مرقعہ افکار، ص ۱۱۔۱۲

طالبؔ کی شاعری کے مختلف موضوعات ہیں۔انھوں نے سیاسی، سماجی، معاشی، قومی اور مذہبی موضوعات کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے۔جن میں چکبستؔ کا انداز جھلکتا ہے۔ان میں اکثر نظمیں مسدس کی شکل میں ہیں۔مذہبی موضوعات کی نظموں میں خاص طور پر ''سری کرشن مہاراج جی یاد'' قابل ذکر ہے۔رامائن کے بعض واقعات، جیسے راون اور سیتا کے قصوں کو بھی طالبؔ نے منظوم پیرائے میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔دیوالی، شیوراتری، ہولی، عید وغیرہ تہواروں پر بھی طالبؔ نے کئی اچھی نظمیں تخلیق کی ہیں۔نظم ''شیوراتری'' کا آغاز اس دلکش شعر سے ہوتا ہے۔

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کس قدر روشن ہے اپنی آج شام زندگی
لائی ہے شیورا تری تازہ پیام زندگی

طالبؔ کی شاعری میں بے شمار نئی اور پرانی تشبیہات و استعارات پائے جاتے ہیں۔ جس سے ان کی شاعری کا حسن نکھر گیا ہے۔ ان کی اصطلاحات میں بھی کشمیر کی خوشبو آتی ہے۔ وہ یہاں کے خوبصورت جھیلوں، ندی نالوں، چشموں، آبشاروں، برف پوش پہاڑوں، لہلہاتے کھیتوں، ہرے بھرے باغوں، سرسبز میدانوں اور یہاں کی حسین وادیوں سے اپنے محبوب کو تشبیہ دی ہے، اور اس طرح سے انھوں نے اپنے محبوب کے ناز و انداز اور اس کے حسن و جمال کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

طالبؔ کشمیری کی شاعری لطیف احساسات اور جذبات سے لبریز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں انداز بیان کی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ وہ ہر شعر میں جدت پیدا کرتے ہیں، اور ان کی شاعری میں رومانی فضا آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔ اس تناظر میں ان کی نظم ''مرتبہ فرزند'' جو انھوں نے اپنے بیٹے کی موت پر لکھی ہے۔ مثال کے طور پر ایک بند پیش ہے۔

یاد رہ رہ کے تیری ہائے ستاتی ہے مجھے
بات اک اک تیری خون رلاتی ہے مجھے
تپ غم خاک میں افسوس ملاتی ہے مجھے
آتش فرقت میں وقت جلاتی ہے مجھے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

آگ پانی میں لگادوں تھی یہ میں نے ٹھانی
اف رے گرمی محبت کہ ہوں پانی پانی

طالبؔ کی شاعری کی زبان عام فہم اور سادہ ہے۔انھوں نے مشکل اورنامانوس الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔زبان عربی وفارسی الفاظ سے عاری ہے۔دلکش تشبیہات واستعارات سے انھوں نے اپنی شاعری کو اور بھی موثر بنادیا ہے۔وہ زبان کے نقطہ شناس تھے،اورزبان کی باریک بینیوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ان کے یہاں زبان وبیان کی صفائی اور شائستگی جھلکتی ہے۔بابائے اردو مولوی عبدالحق ان کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے جستہ جستہ آپ کا کلام دیکھا، مجھے فی الحقیقت تعجب ہے آپ نے وادیِ کشمیر میں رہ کرارد وزبان پرایسی قدرت کیوں کر حاصل کرلی۔یہ آپ کی ذہانت اور فراست کی دلیل ہے۔اس پرآپ کی نظر،آپ کا بیان قابل دید ہے۔بیان میں صفائی اور گداز ہے۔''

بحوالہ: برج پریمی، کشمیر میں اردوادب کی نشونما،ص ۱۵۵

پروفیسر ضیااحمد بدایونی طالبؔ کشمیری کے مجموعہ کلام ''مرقع افکار'' کے مقدمے میں ان کی شاعری اورزبان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''طالبؔ صاحب کا وطن مالوف کشمیر ہے۔وہ دہلی،آگرہ اورلکھنؤ سے کوسوں دوررہے،لیکن یہ دیکھ کرمسرت ہوتی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے کہ اس کو زبان وبیان پر پوری قدرت حاصل
ہے۔ان کے کلام میں بے ساختگی اور روانی کی افراط
ہے۔نظموں پر نظمیں پڑھ جائیے یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ
ایک ایسے فرد کا کلام ہے جس کی مادری زبان کشمیری
ہے۔" (طالب کشمیری، مرقع افکار، ص ۸)

جناب برج موہن دتاتریہ کیفی طالب کی زبان کے بارے میں "مرقع افکار" کے دیباچے میں مزید لکھتے ہیں:

"زبان کی درستی اور محاورے کی صحت اس درجے کی ہے
کہ ایک اہل زبان کے کلام میں اور طالب کے کلام فرق
کرنا مشکل ہے۔" (طالب کشمیری، مرقع افکار، ص ۱۲)

طالب کا شمار کشمیر کے ان گنے چنے شعرا میں ہوتا ہے جو صاحب دیوان ہیں شاعر ہیں، بلکہ آزادی سے پہلے ریاست جموں و کشمیر میں بہت کم شعرا ایسے گزرے ہیں جن کا اردو زبان میں مجموعہ کلام ہو۔ طالب بنیادی طور پر اس مکتبہ فکر کے نمائندے تھے، جو انیسویں صدی میں محمد حسین آزاد اور حالی کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا یہ جسے بعد میں اسمعیل میرٹھی، نادر کاکوری، سرور جہاں آبادی، تلوک چندر محروم، کیفی اور چکبست وغیرہ بھی وابستہ رہے۔ طالب کشمیری نے ان شعرا کے کلام کا بغور مطالعہ کیا ہے، جس کے اثرات ان کی شاعری پر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ "عالم مجاز، بہار، جلوۂ دلدار" وغیرہ طالب کی ایسی نظمیں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہیں، جن میں یہ اثرات غالب دکھائی دیتے ہیں۔ان تینوں نظموں میں حفیظ جالندھری کی ابتدائی نظموں کا آہنگ ملتا ہے۔''عالمِ مجاز'' کا پہلا بند ملاحظہ پیش ہے۔

بہاریں شباب ہے
شباب انتخاب ہے
نظر کی آب وتاب ہے
کہ حسن لاجواب ہے
عذاب ہے ثواب ہے
سکون واضطراب ہے
یہ عالمِ مجاز ہے
کہ زندگی کا راز ہے

اس کے علاوہ طالبؔ نے مراز غالبؔ اور نور جہاں پر مؤثر نظمیں لکھی ہیں۔''سورج کی کرن اور عورت'' میں طالبؔ نے ایک نیا تجربہ کر کے مستزاد کی تکنیک آزمائی ہے۔

شاعری کے علاوہ طالبؔ نے جدید انداز میں کچھ مرثیے بھی لکھے ہیں ،جن میں انھوں نے اپنے بعض دوستوں اور عزیزوں کے انتقال پر اظہار رنج وملال کیا ہے۔علاوہ ازیں ان کے کلام میں فارسی شاعری کا بھی قابل قدر سرمایہ موجود ہے۔انھوں نے فارسی میں غزلوں، نظموں کے علاوہ کئی اساتذہ پر قطعات اور تاریخیں بھی لکھی ہیں۔شعروشاعری کے علاوہ ان کی دلچسپی تنقیدی مضامین میں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

بھی ہے، جس کی ایک اہم کڑی ان کا مضمون بعنوان ''علامہ کیفی دہلوی کی یاد میں'' قابل ذکر ہے۔ یہ مضمون طالبؔ کا اپنے استاد کے تئیں عقیدت مندی کا آئینہ دار ہے، اور اسے کیفیؔ کے مزاج کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں ''بہار گلشن کشمیر اور کلام غالب'' پر ان کے تبصرے ان کی ذہانت اور تنقیدی صلاحیت پر دلالت کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ طالبؔ کشمیری کا شمار جموں و کشمیر کے کہنہ مشق شاعروں اور زبان دانوں میں ہوتا ہے، جس کا اظہار برج پریمی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''طالبؔ کشمیری اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ وہ اردو شاعری کے توسط سے کشمیر کے شاعرانہ ذہن اور کشمیریوں کی اردو دانی کی شناخت کرنے والے پہلے بلند مرتبت شاعر تھے، جن کا کلام بلاغت نظام سارے ملک کے اردو داں طبقے میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اور جنھوں نے اس حقیقت کو منوالیا تھا کہ کشمیری ذہن اردو کے بڑے بڑے مراکز سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود اس زبان میں بھی اپنی جودت ذہن اور فکر بلیغ کا جادو جگا سکتا ہے۔''
>
> (جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو نما، ص ۵۷)

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کرشن چندر کے

ناول ''شکست'' میں کشمیری دیہات

اردوادب کے صف اول کے ناول نگاروں میں کرشن چندر ایک اہم اور معتبر نام ہے۔اردوادب کا یہ فنکار ۲۳رنومبر ۱۹۱۳ء کو اگرچہ بھرت پور (راجستھان) میں پیدا ہوا،لیکن پانچ سال کی چھوٹی عمر میں ہی وہ اپنے والد ڈاکٹر گوری شنکر کے ہمراہ پونچھ (جموں وکشمیر) آ گئے۔یہاں ان کے والد راجہ بلدیو سنگھ کے دربار میں بحیثیت ڈاکٹر منسلک ہو گئے۔اس طرح سے کشمیر ہی میں ان کا بچپن اور جوانی کے چند سال گزرے۔

کرشن چندر نے کشمیر میں رہ کر کشمیر کی خوبصورتی کو بہت قریب سے دیکھا ہے،وہ کشمیر کے ذرے ذرے سے محبت کرتے ہیں۔ایک طرف وہ کشمیر کے خوبصورت نظاروں،دلکش مرغزاروں،کہساروں، آبشاروں،گلستانوں، آخروٹ اور سیب کے باغوں،ندی نالوں،جھیلوں اور جھرنوں سے پیار کرتے ہیں،تو دوسری طرف وہ یہاں کی سادہ لوح مظلوم عوام کی غریبی اور مفلسی، زمینداروں اور جاگیرداروں کی زیادتیوں سے بھی بھرپور آگہی رکھتے ہیں۔چونکہ کرشن چندر اشتراکی ذہن اور ترقی پسند خیالات کے حامی تھے،لہذا انھوں نے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اپنے بیشتر ناولوں میں پریم چند کی طرح عوامی زندگی خصوصاً دیہاتی زندگی کو موضوع بنایا۔انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی کشمیر کے گاؤں میں گزاری ہے اور وہ کشمیر کے دیہاتی لوگوں کی زندگی کے نشیب و فراز ،ان کے رہن سہن، طور طریقے ،رسم ورواج اور عقائد و نظریات سے پوری طرح واقف ہیں۔

کرشن چندر بچپن ہی سے سماجی نابرابری اور طبقاتی کشمکش کے خلاف تھے۔ترقی پسند نظریات نے اس میں مزید اضافہ کیا۔انسان دوستی ان کی زندگی کا ایک اہم اصول رہا ہے،جس کا عکس ہمیں ان کی لکھی ہوئی بیشتر کہانیوں میں بخوبی دکھائی دیتا ہے۔وہ غریبوں ، ناداروں ،کسانوں اور مزدوروں کے دکھ درد کو خود محسوس کرتے ہیں،اور اپنی کہانیوں میں اسے اس طرح سموتے ہیں کہ قاری کی آنکھوں میں آنسوں آجاتے ہیں۔

کرشن چندر نے اپنے ادبی سفر کے آغاز سے ہی اپنے قلم کو عوام کے لیے وقف کیا اور تاحیات عوام کے لیے لکھتے رہے۔کرشن چندر نے تقریباً دو درجن سے زائد ناول ہمارے لیے یادگار چھوڑے ہیں،جن میں ''شکست،میری یادوں کے چنار،مٹی کے صنم ،زرگاؤں کی رانی،طوفان کی کلیاں،سپنوں کی وادی اور برف کے پھول وغیرہ ایسے ناول ہیں جن میں کرشن چندر نے کشمیر اور کشمیری دیہاتوں کی زندگی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔چونکہ میرے موضوع کا عنوان ''کرشن چندر کے ناول ''شکست'' میں کشمیری دیہات'' ہے۔لہذا یہاں صرف کرشن چندر کے ناول ''شکست'' کے حوالے سے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہی بات کی جائے گی۔

''شکست'' کرشن چندر کا پہلا ناول ہے۔ یہ ناول ۱۹۴۳ء میں ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں منظرِ عام پر آیا۔ اس ناول میں محبت کی دو داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ کشمیر کے دور افتادہ گاؤں ماندر کے باشندوں کی کہانی ہے۔ پہلی کہانی کا ہیرو شیام ہے، جو برہمن خاندان سے تعلق رکھتا ہے، لیکن وہ روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ذات پات سے بے نیاز ہے۔ وہ ونتی نامی ایک نچلے طبقے کی لڑکی سے محبت کرتا ہے اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے سماج سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا ہے۔ گھر والے اس کی شادی اپنی ذات کی ایک لڑکی سے کر دیتے ہیں، جس کی خبر سن کر ونتی خودکشی کر لیتی ہے۔

دوسری کہانی چندرا اور موہن سنگھ کی ہے۔ اس کہانی کا ہیرو موہن سنگھ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور چندرا اچھوت ہوتی ہے۔ مگر دونوں ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ سماج کو ان کی محبت قبول نہیں، لیکن شیام کے مقابلے میں موہن سنگھ چندرا سے شادی کرنے کے لیے سماج سے بغاوت کرتا ہے، لیکن اس میں اس کی موت واقع ہوتی ہے۔ موہن سنگھ کی موت کی وجہ سے چندرا پاگل ہو جاتی ہے۔

کرشن چندر کے اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر محمد افضال بٹ ایک جگہ لکھتے ہیں:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''کرشن چندر کے تمام ناولوں میں شکست فنی اعتبار سے مکمل ہے۔ناول میں دو کہانیوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک کا ہیرو شیام اور ہیروئن ونتی ہے، جبکہ دوسری طرف جندرا اور موہن سنگھ کی محبت ہے۔''شکست'' میں کشمیر کی دیہاتی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔جس میں وہاں کی سیاسی اور سماجی حالات کا نقشہ بڑی مہارت سے کھینچا گیا ہے۔''

(اردو ناول میں سماجی شعور، ص ۱۲۹)

یہ ناول کشمیر کی دیہی زندگی کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔اس ناول میں کشمیری عوام کی بے بسی، جاگیردارانہ نظام کے مظالم اور زیادتیاں، کسانوں اور مزدوروں کے آنسوؤں کی منہ بولتی تصویریں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ناول کا ہیرو شیام روشن خیال اور تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی نابرابری اور ذات پات سے سخت نفرت کرتا، کیونکہ اس کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں، وہ غریب کسانوں اور مزدوروں کا ہمدرد اور حامی ہوتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ سماجی نابرابری ختم ہوجائے۔وہ اعلیٰ ذات اور خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود غریب کسانوں کے ساتھ کام کرتا ہے،لیکن وہ اپنے طبقے کی ظلم وزیادتی کے خلاف بغاوت کرنے کی جسارت نہیں رکھتا۔وہ اپنے طبقے کے قائم کردہ فرسودہ رسم ورواج کو بدلنے کی ہمت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔شام

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کا کھیتوں میں کام کرنے کے منظر کو کرشن چندر کچھ اس طرح دکھاتے ہیں:

''شیام آہستہ آہستہ درانتی چلانے لگا۔اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ نئی زبان ،ایک نئے ادب ،ایک نئی تہذیب، ایک نئی زندگی سے آشنا ہو رہا ہے۔''

(شکست،ص ۱۸)

گاؤں میں جب فصل تیار ہوتی ہے تو سبھی لوگ بہت خوش ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی محنت کا ثمرہ ہوتا ہے۔کشمیر کے دیہاتوں میں کھیت میں لگی دھان کے پودوں کی تصویر کشی کرشن چندر نے بہت خوبصورتی کے ساتھ کی ہے، جسے دیکھ کر شیام کو قدرت کی کاریگری پر رشک آتا ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''زریں وادی میں پھیلے ہوئے دھان کے کھیتوں کی طرف آرہا تھا۔شیام نے سوچا فرد واحد کو حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اس طرح سارے خطے کی خوبصورتی پر قبضہ کرلے۔''

(شکست ص ۷)

شکست میں کرشن چندر نے دیہاتوں میں گھاس کاٹنے کے عمل کو مسرت اور خوشی سے کرنے والے مزدوروں اور کسانوں جن میں ہندو، مسلمان، سکھ ،عیسائی وغیرہ تمام مذاہب کے لوگ شریک ہوتے ہیں، جیسے عمل کو بھی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

دکھایا ہے۔اس کام کو ''لیتری'' کہتے ہیں۔اس میں دو گروپ بنائے جاتے ہیں، دونوں کو گھاس کاٹنی ہوتی ہے۔ جو جماعت پہلے گھاس کاٹ کر ختم کرتی ہے، وہ جماعت جیت جاتی ہے، پھر اس کے لیڈر کو دوسری جماعت کا لیڈر کاندھے پر اٹھاتا ہے۔ایک جماعت کا لیڈر گنگو ہوتا ہے اور دوسری جماعت کا لیڈر دلا ہوتا ہے۔ دلے کی جماعت جیت جاتی ہے۔ کرشن چندر نے بہت خوبصورتی کے ساتھ اس کی منظر کشی کی ہے، اقتباس دیکھیں:

''گنگو نے دلے کو گلے لگایا، بھائی تم جیت گئے۔ گنگو کی ٹولی کے باقی لوگ بھی ہنسنے لگے۔شرط کے مطابق گنگو نے دلے کو کاندھے پر اٹھالیا۔'' (شکست، ص ۲۵)

کشمیر کے جاگیردارانہ دور میں کسانوں اور مزدوروں پر ہو رہے بے پناہ ظلم وستم کو بھی کرشن چندر نے اس ناول کے ذریعے بیان کیا ہے۔کسان اور مزدور طبقہ جاگیرداروں اور زمینداروں کے غلام بن کر زندگی گزارتے تھے۔ان کی جان مال ان کی نہ تھی، بلکہ اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی، وہ جیسے چاہتے ان کا استعمال کرتے تھے۔اس زمانے میں بے گار لینا وہاں پر عام بات تھی۔ جاگیردار اور زمیندار غریبوں اور کسانوں کو انسان نہیں جانور سمجھتے تھے۔احتشام حسین اس ناول ''شکست'' کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

کشمیر کی زندگی اور وہاں کے کسانوں کی بیداری کا اس سے جاندار، باشعور اور ہمدردانہ ذکر کہیں اور نہیں ملتا۔ا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

سے پڑھ کر ایک جیتا جاگتا کشمیر ہماری نگاہوں کے سامنے
آ جاتا ہے۔‘‘

انسان جس ماحول اور جس جگہ رہتا ہے، اس کا اثر اس پر ضرور پڑتا ہے، کرشن چندر نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ کشمیر میں گزارا ہے، اس لیے انھیں کشمیر اور کشمیریوں سے بہت محبت تھی، خاص کر غریب، کسان اور مزدور طبقہ سے ،جس کا اعتراف انہوں نے اپنی بیشتر کہانیوں میں کیا ہے۔ ایک کہانی ’’کشمیر کو سلام‘‘ میں کہتے ہیں:

’’شاید جنت انسان کے دل کے باہر نہیں، بلکہ اندر ہوتی
ہے۔ اگر ایسا ہے تب بھی مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ
میرے دل کے اندر جو جنت ہے وہ کشمیر ہے۔‘‘

بہر کیف کرشن چندر نے اپنے ناول ’’شکست‘‘ کے ذریعے کشمیری کسانوں اور مزدوروں کے حالات و واقعات کو سامنے لاکر ایک اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ جوان کے بہت بڑے انسان دوست ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اُردو ریڈیو ڈراما اور سعادت حسن منٹو کی ڈراما نگاری

ڈراما اُردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ ڈراما کا لفظ سنتے ہی ذہن میں اسٹیج آتا ہے، جس پر کچھ لوگ کسی عمل کو کرنے میں محو و مصروف نظر آتے ہیں۔ ڈراما میں کوئی کہانی کرداروں کے ذریعے ترتیب وار ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اسٹیج ڈراما اپنے ابتدائی دور میں خاص و عام کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے، لیکن تغیر زمانہ کے ساتھ اس کی عوامی شہرت میں کمی رونما ہوئی، جس کی خاص وجہ ریڈیو اور ٹی۔ وی کی ایجاد ہے۔

ریڈیو کی ایجاد نے جہاں ایک طرف خبر و معلومات، گیت و موسیقی، اشتہار و پیغامات کو ہوا کی دوش پر گھر گھر پہنچا دیا وہی دوسری جانب اس نے ابتداء سے ہی مختلف اصناف ادب جیسے، افسانہ، انشائیہ، خاکہ، نظم، غزل اور ڈراما کو بھی نشر کرنا شروع کیا۔ مزکورہ اصناف میں ڈراما کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ریڈیو ڈراما، ڈراما کی وہ قسم ہے جس کو آوازوں کے سہارے سے سامعین کے پردۂ تخیل تک پہچایا جاتا ہے۔ گویا ریڈیو ڈراما کی کامیابی اور ناکامی کا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

دارو مدار کرداروں کی آواز پر منحصر ہے۔ویکیپیڈیا پر دستیاب ریڈیوڈراما کی تعریف کچھ یوں ہے:

''ریڈیوڈرامایانشری ڈراما سے مراد وہ ڈراما ہے جو ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیے جانے کے لئے لکھے جائے۔چونکہ ریڈیو کا دائرہ خطاب ناظرین کے بجائے سامعین پر مشتمل ہوتا ہے۔ریڈیو سننے والے لوگ اداکاروں کی حرکات وسکنات اور عمل کو دیکھنے سے محروم ہوتے ہیں اس لئے ریڈیوڈراما لکھنے والے کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ پورے ڈرامے میں اس امر کوملحوظ رکھے کہ اس کا میدان آنکھ نہیں کان ہے۔اوراس کا ڈراما اسٹیج پر نہیں بلکہ سامعین کے تخیل کے اسٹیج پر کھیلا جائے گا۔جہاں تک پہنچنے کے لئے اسے صرف سامع کا راستہ دیا گیا ہے۔''ویکیپیڈیا.....

اگرچہ ڈراما کا بنیادی تعلق اسٹیج سے ہے کیونکہ ڈراما کے معنی ہی ''کر کے دکھانا'' کے ہیں لیکن ریڈیائی ڈرامے کے لوازمات مختلف ہونے کے باوجود دونوں میں ڈرامائی عناصر کا ہونا ضروری ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ اسٹیج ڈراما میں ناظرین اداکاروں کے روبرو ہوتے ہیں جبکہ ریڈیوڈراما میں ہمارے کان ہی ہماری آنکھوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ہر سامع اپنے تخیل کے ذریعے کرداروں اور واقعات کومحسوس کرتا ہے۔بقول عشرت رحمانی:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''ڈراما خواہ اسٹیج کا ہو یا ریڈیو کا بہ حیثیت فن اس میں تمام ڈرامائی لوازم کا ہونا ضروری ہے۔ گو اسٹیج ڈراما میں بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ریڈیو ڈراما میں وہ حرکات وسکنات آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتی، اس لئے موالذکر کی خصوصیات میں لوازم بدرجہ اتم ضروری قرار پاتے ہیں۔ جو نظر آئے بغیر صرف کانوں کے ذریعہ سامعین کو متاثر کرسکیں اور سماعت ان سے وہی لطفِ بصیرت حاصل کرسکے جو اسٹیج پر بصار کے ذریعہ ممکن ہو۔۔۔۔۔مختصر الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ نشری ڈراما کانوں سے دیکھنے کی چیز ہے۔''
(''اُردو ڈراما کی تاریخ وتنقید'' عشرت رحمانی، ص ۲۴۰،

ریڈیو ڈراما کی پیش کش میں ''آواز'' بنیادی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں آواز کے ذریعے ہی ڈراما کے کرداروں کے حرکات وسکنات کا تصور ذہن میں لایا جاسکتا ہے اور صرف آواز کی مدد سے ہی کرداروں اور واقعات کو سمجھنے اور محسوس کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ جو کہ ریڈیو ڈراما کے سامع کی مجبوری بھی ہے کیونکہ اسے کانوں سے ہی آنکھوں کا بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے شمائلہ حسین رقمطراز ہیں:

''ریڈیو ڈراما میں آواز مرکزی چیز ہے اور کوئی حرکت یا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

عمل دکھانے کے لئے صوتی اجزات سے کام لینا پڑتا
ہے۔کیونکہ اسٹیج یا سکرین ڈرامے میں ہیروئین یا ہیرو
جیسا بھی ہو سامنے آجاتا ہے لیکن ریڈیو ڈراما میں
ہیروئین کوخوبصورت بنانے کے لئے اس کی آواز کو
خوبصورت بنانا ضروری ہوتا ہے۔''

(''ریڈیوڈراماتکنیک وفن''، شمائلہ حسین، مشمولہ، روزنامہ ''دنیا'' پاکستان)

ریڈیوڈراما کا آغاز کب ہوا ہے اور ہند کے کونسے اسٹیشن سے پہلی دفعہ ڈرامانشر کیا گیا؟ اس حوالے سے تحقیق کے مطابق آل انڈیا ریڈیو دہلی کے قیام کے ساتھ ہی دیگر نشریات کے علاوہ ڈراما بھی نشر کئے جانے لگے۔تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے ہندوستان میں ریڈیو کی ابتداء ہوئی ہے اردو ریڈیو ڈرامانے بھی اسی کے ساتھ آنکھ کھولی ہے اور اس کا پہلا پالنا دہلی اسٹیشن ہی ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر شکیل اختر اپنی تصنیف ''اُردو میں نشری ادب'' میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں انڈین براڈکاسٹنگ کمپنی کے قیام سے
باقاعدہ ریڈیوڈراما کی نشریات کا آغاز ہوا۔۔۔۔۔آل
انڈیا ریڈیو نئی دہلی کے میوزیم میں سب سے قدیم ریڈیو
ڈرامہ ''منتوش'' کا مسودہ نمائش کے لئے رکھا گیا ہے
جس پر تاریخ نشر ۳ جنوری ۱۹۳۶ء درج ہے۔اس ڈرامہ
کو کیشر و چندر چٹر جی نے لکھا تھا اور حکیم شجاع الدین نے
ریڈیو کا آہنگ بخشا تھا۔اس کی اسکرپٹ اُردو زبان میں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔''(''اُردو میں نشریاتی ادب''، ڈاکٹر محمد شکیل اختر، ص:۱۵۹)

اگر چہ اردو ریڈیو ڈرامہ کا آغاز ۱۹۲۷ء میں ہوا ہے لیکن آل انڈیا ریڈیو دہلی کے میوزیم میں دستیاب قدیم ترین ڈراما کیشر و چندر چٹرجی کا ''منتوش'' ہے۔ جس کی تاریخ نشر ۳ جنوری ۱۹۳۶ء ہے لہذا تاریخی شواہد کے پیش نظر اسی ڈراما کو اردو ریڈیو ڈراما میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے بعد ملک کے مختلف شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں سے اُردو ریڈیو ڈرامے نشر کئے جانے لگے۔ جن کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اُردو کے بعض قد آور فنکاروں نے اس صنف کی طرف توجہ کی اور بے شمار اعلیٰ درجے کے ڈرامے لکھے۔ ان ڈراما نگاروں کی فہرست بہت لمبی ہے، جن میں شوکت تھانوی، کرشن چندر، امتیاز علی تاج، ملک حسیب احمد، حفیظ جاوید، اسلم ملک، احمد ندیم قاسمی، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، میاں لطیف الرحمٰن، محمود نظامی، سید عابد علی عابد، مرزا ادیب اور سعادت حسن منٹو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سعادت حسن منٹو محتاج تعارف نہیں ہیں، وہ بیک وقت ایک بے باک افسانہ نگار، چہرہ شناس خاکہ نگار، لاجوب مضمون و مکالمہ نویس اور بے مثال ڈراما نویس گزرے ہیں۔ موصوف نے جس صنف ادب کو بھی ہاتھ لگایا اسے فنی بلندیوں تک پہنچادیا۔ اُردو ادب میں منٹو کی شخصیت اور فن افسانہ نگاری پر متعدد کتابیں اور بے شمار مضامین لکھے جا چکے ہیں اور آئیندہ بھی لکھے جائیں گے۔ خاکہ نگاری کے حوالے سے بھی کسی حد تک کام ہوا ہے۔ لیکن ڈراما نگاری کا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

باب خالی خالی سا نظر آرہا ہے۔ منٹو بحیثیت ڈراما نگار بہت کم لکھا گیا ہے۔ اسی لئے راقم نے اس مضمون میں موصوف کی ڈراما نگاری کا تعارف پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

سعادت حسن منٹو کا قلم بہت زرخیز تھا انہوں نے اپنے بیشتر افسانے ایک ہی نشست میں قلمبند کئے ہیں، اور جب ریڈیائی ڈراما لکھنے لگے تو یہاں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ عنوان طے کرتے ہی فوراً لکھنا شروع کرتے تھے اور اکثر اوقات ایک ہی نشست میں مکمل ڈراما لکھ دیتے تھے۔ منٹو ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازم ہوگئے اور ڈراما لکھنے پر معمور کئے گئے۔ یہاں انہوں نے بہت مختصر مدت میں اردو کے لئے متعدد اعلیٰ ڈرامے تحریر کئے جو بہت مقبول ہوئے۔ جن میں کروٹ، ماچس کی ڈبیہ، اتوار، خودکشی، محبت کی پیدائش، قلوپطرہ کی موت، اس منجھدار میں، نیلی رگیں، تین موٹی عورتیں، ٹیپو شہید کی موت، رندھیر پہلوان وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی نشر کئے گئے۔ اس حوالے سے عشرت رحمانی اپنی تصنیف ''اردو ڈراما کی تاریخ وتنقید'' میں رقمطراز ہیں:

> ''منٹو ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ڈراما نگار کی حیثیت سے ملازم ہو کر آئے اور نشر تکنیک کے اعلیٰ نمونے پیش کرنے لگے۔ متعدد کامیاب ڈرامے لکھے اور اپنے اچھوتے انداز کے کمالات سے ریڈیو ڈراما کو نیا اسلوب بخشا۔'' (''اردو ڈراما کی تاریخ و تنقید''، عشرت

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

رحمانی، ص:۲۴۴)

منٹو ریڈیو کے ساتھ بہت مختصر مدت تقریباً دو ڈھائی برس منسلک رہے ہیں بعدازاں وہ بمبئی کی فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے تھے۔لیکن ریڈیو کی ملازمت کے دوران انہوں نے متعدد ڈرمے لکھے جو کہ بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے ہیں ۔ان کے سات ریڈیو ڈراموں پر مشتمل مجموعے''آؤ''،''تین عورتیں''،''جنازے''،منٹو کے ڈرامے''،''کروٹ''،''افسانے اور ڈرامے'' اور''تین تحفے'' منظر عام پر آچکے ہیں ۔جن میں سو کے قریب ڈرامے شامل ہیں۔

مزکورہ مجموعوں میں''آؤ'' میں،آؤ کہانی لکھیں،آؤ تاش کھیلیں،آؤ خط سنو،آؤ کھوج لگائیں،آؤ ریڈیو سنیں ،آؤ بات تو سنو،آؤ بحث کریں،آؤ اخبار پڑھیں،آؤ چوری کریں،آؤ جھوٹ بولیں دس ڈرامے شامل ہیں۔

''جنازے'' میں ،چنگیز خان کی موت،تیمور کی موت ،قلو پطرہ کی موت،نپولین کی موت،بابر کی موت،شاہجہاں کی موت،ٹیپو شہید کی موت،راسپوٹین کی موت،منٹو ماموں کی موت (حامد جلال) نو ڈرامے شامل ہیں۔

''تین عورتیں''میں،تین خوبصورت عورتیں،تین موٹی عورتیں،تین صلح پسند عورتیں،تین خاموش عورتیں ،تین بیمار پرس عورتیں پانچ ڈراموں پر مشتمل ہے۔

''کروٹ''میں،کروٹ،خود کشی،ہتک،رندھیر پہلوان،ماچس کی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ڈبیا، محبت کی پیدائش، چوڑیاں، ماماتا کی چوری، سلیمہ، اس کا رامو، روح کا ناٹک گیارہ ڈرامے شامل ہیں۔

''منٹو کے ڈرامے'' مجموعے میں، نیلی رگیں، کبوتری، انتظار، انتظار کا دوسرا رخ، کمرہ نمبر ۹، ٹیڑھی لکیر، جیب کترا، عید کا ڈر، اکیلی، ساڑھی، نقش فریادی، بیمار، جرم اور سزا، کیا میں اندر آسکتا ہوں جرنلسٹ جیسے ڈرامے شامل ہیں۔

مزکورہ بالا ڈراموں میں سے چند ڈراموں کے حوالے سے منٹو کی ڈراما نگاری پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔''کروٹ'' منٹو کا مشہور ڈراما ہے، یہ ڈراما ایک ویشیا عورت سُندری کی کہانی ہے۔اس ڈراما میں منٹو نے اپنے وقت کی اہم سماجی بُرائی طوائف کے کلچر پر اور نام نہاد شریف زادوں پر بڑی زبردست چوٹ کی ہے۔اس ڈراما کی کہانی کچھ اس طرح ہے کہ ایک محلے میں سُندری نام کی ایک طوائف رہنے کے لئے آتی ہے۔جس کو محلے کے شریف زادے گندی اور بدکردار اور بدمعاش کہہ کر بڑی نفرت سے دیکھتے ہیں۔سندری کے پڑوس میں ایک میاں صاحب اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ رہتا ہے۔میاں صاحب ظاہری اعتبار سے بہت ہی مہذب اور شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔اور سندری کو اس ذلت ورسوائی والی زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں۔وہ ایک دن سندری کو اپنے گھر کھانے کی دعوت کرتے ہیں۔لیکن سندری ان کے گھر نہیں جاتی ہے، جب وہ سندری کے کوٹھے پر اس کو لینے جاتے ہیں تو وہ صاف منع کر کے ان کو چلے جانے کے لئے کہتی ہیں۔سندری کو محلے کے دوسرے افراد اور شریر لڑکے بہت پریشان

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کرتے تھے، کبھی ان کے دروازے پر ہڈیاں ڈالتے تھے تو کبھی ان کے آنگن میں کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت تنگ آجاتی ہے۔ ایک دن ان شرارتی بچوں نے سندری کے مکان پر پتھر پھنکے اور ایک ان کے سر میں لگا جس کی وجہ سے ان کے ماتھے سے خون نکلنے لگا۔ شور کی آواز سن کر میاں صاحب باہر آئے اور حال معلوم کیا اس پر سندری نے بہت بُرا بھلا کہا اور ان کے چہرپر تھوک دیا اور روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ خود میاں صاحب کے گھر آئیں اور معافی مانگ لی اور میاں صاحب نے معاف کیا، ساتھ ہی سندری نے کہا کہ میں یہ کام اور محلّہ چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ میاں صاحب ان کے گھر جا کر ان کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر سندری کہتی ہے کہ یہاں رہ کر کیا کروں اور کیا کھاوں گی، اگر آپ کسی کے گھر میں نوکر رکھوائیں گے تو مہربانی ہوگی۔ یہاں میاں صاحب کی نام نہاد شرافت کے پرزے اڑ جاتے ہیں اور ان کی نیت بدل جاتی ہے وہ سندری کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کہتا ہے کہ میں خود تمہارا نوکر ہونا چاہتا ہوں، اس بات پر سندری خوفزدہ ہوتی ہے اور میاں صاحب کو اسی وقت گھر سے باہر نکالتی ہے۔ اور پھر سے وہی پرانا کام شروع کرتی ہے۔ ڈرامے کے چند مکالمے ملاحظہ ہوں:

سندری: بات یہ ہے کہ میرا آنا جانا یہاں لوگوں کو بہت ناگوار گزرا ہے، نگوڑے چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح مجھے اس مکان سے دھکا مل جائے۔ اب کیا بتاوں تم لوگوں کو ناک میں دم کر دیا پڑوس کے لونڈوں نے۔

لڑکی: اس عورت نے تو آپ کا کھانا، پینا اور سونا حرام کر دیا ہے،، لعنت بھیجئے۔

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

میاں: لڑکی وہ انسان جو دوسرے انسان پر لعنت بھیجے انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہوسکتا۔۔وہ بے چاری پہلے ہی ایک لعنت میں گرفتار ہے، اب اس پر تم اور لعنتیں بھیجنا چاہتی ہو۔

سندری: یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے تم اشرافوں نے۔۔۔ایک پل کے لئے مجھے چین نہیں لینے دیا جاتا۔۔۔کیا بگاڑا ہے میں نے تم لوگوں کا؟ بتاو بتاتے کیوں نہیں؟

اس ڈراما میں منٹو نے سماج کی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے جہاں کچھ نام کے شریف لوگ، بے بس اور لاچار لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔کوئی انسان پیدائشی اچھا یا برا نہیں ہوتا لیکن یہ سماج اور اس میں بسنے والے لوگ اس کے ذمہ دار ہیں۔منٹو کی کہانیوں کی خوبی یہی ہے کہ وہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا بنا کر پیش کرتے ہیں۔واقعی میں وہ گندگی کو دیکھ کر منہ نہیں ڈھکتے بلکہ اس گندگی کو ہی دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ڈراما ''تحفہ'' ایک ناکام محبت کی دکھ بری کہانی ہے جو جُگل اور شیلا کی پر درد محبت کی داستان ہے۔کہانی میں جُگل ایک غریب، لاپروہ اور آوراہ لڑکا ہوتا ہے۔جبکہ شیلا ایک اچھے گھر کی نیک اور شریف لڑکی ہوتی ہے۔شیلا جُگل سے بہت محبت کرتی ہے اس کو بدلنے کے لئے بڑااصرار کرتی ہے، مگر جُگل اپنی آوارگی اور بے پرواہی سے بعض نہیں آتا ہے اور ایک دن وہ شیلا سے کہتا ہے کہ تم کسی رئیس زادے سے شادی کرلو۔شیلا کی شادی ایک بڑے مالدار آدمی لالہ گنیش سے ہوتی ہے جن کے پاس بے شمار دولت ہوتی ہے۔لیکن شیلا خوش نہیں ہوتی۔ایک

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

دن شیلا کی سالگرہ پر گنیش جُگل کو مدعو کرتا ہے وہ بہت اچھے سوٹ بوٹ میں مہذب انداز میں بات کرتا ہے لیکن اچانک وہ بات کرتے کرتے گرتا ہے جس پر شیلا ،جُگل جُگل کہہ کر اس کو سہارا دیے کر تھام لیتی ہے وہ اس کی آغوش میں کہتا ہے کہ دنیا میں دولت بڑی چیز ہے ، میں تمہارے لئے تحفہ ''دو آنسوں'' لایا ہوں ، کیوں کہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں میں آٹھ روز سے بھوکا ہوں اور اسی کے ساتھ اس کی جان نکل جاتی ہے۔

اس ڈرامے کے ذریعے بھی منٹو نے ایک اہم سماجی حقیقت کو پیش کیا ہے۔امیری اور غریبی کی تفاوت جو کہ محبت جیسے پاک جذبے کو بھی پیروں تلے روند ڈالتی ہے۔ اگر چہ جُگل شیلا سے محبت کرتا تھا لیکن اس کی غریبی اور آوارگی نے اس کو کبھی یہ ہمت نہیں دی کہ وہ شیلا سے شادی کرنے کی بات کہے۔اس کی محبت مفلسی کی وجہ سے حسرت بن کر اس کے دل میں ہی دفن ہو جاتی ہے۔

ڈرما ''ماںتا کی چوری'' بھی منٹو کا ایک اہم ڈراما ہے۔ یہ کہانی مسٹر اور مسز بھاٹیہ ، ان کے بیٹے گوپال اور گوپال کی استانی چپلا کی ہے۔اس ڈرامے کی کہانی بہت ہی ہوش ربا ہے،اس میں چپلا ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ مسٹر بھاٹیہ کا لڑکا گوپال جس کو وہ پیار سے گوپو کہتے ہیں ، بیمار ہوتا ہے اس لئے اس کی تعلیم اور دیکھ بھال کے لئے وہ چپلا کو اس کی نگرانی کے لئے گھر میں رکھتا ہے۔ چپلا گوپو کو پڑھاتی ہے نہلاتی ہے کھانا کھلاتی ہے غرض اس کا ہر کام کرتی ہے۔ گوپال کو اپنی استانی کے ساتھ بہت لگاو ہوتا ہے۔ وہ اسی کو اپنی ماں سمجھتا ہے کیونکہ اس کی اپنی ماں گھر میں ہونے کے باوجود اس کے پاس نہیں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

رہتی تھی۔ مسز بھاٹیہ کو چپلا کے کردار پر شک ہوتا ہے اور گماں کرتی ہے کہ چپلا نے اس سے اس کا بچہ اور شوہر چھین لیا ہے۔ جبکہ چپلا کے دل میں صرف گوپال کی محبت ہے اور وہ مسٹر بھاٹیہ کی بہت عزت کرتی ہے۔ کہانی میں اس وقت اہم موڑ آتا ہے جب گوپال کی چھوت کی بیماری چپلا کو لگ جاتی ہے اور وہ بستر مرگ پر پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ گوپال چپلا کی ممتا بھری دیکھ بھال کی بدولت تندرست ہو جاتا ہے۔ یہاں پر مسٹر بھاٹیہ اپنی بیوی کو نصیحت کرتے ہیں اور چپلا سے معافی مانگنے کے لئے کہتے ہیں جس نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر ہمارے بچے کی جان بچائی ہے، اور آخر میں مسز بھاٹیہ کو اپنی غلطی پر ندامت ہوتی ہے اور وہ چپلا سے معافی مانگ لیتی ہے۔

اس ڈرامے میں عورت کا شکی مزاج ہونا اور دوسری طرف عورت کی بے لوث محبت کا خوبصورت امتزاج پیش کیا گیا ہے۔ جہاں ایک طرف ممتا پر شک کیا جاتا ہے اور دوسری جانب اپنی جان ممتا کے لئے قربان کی جاتی ہے۔ ایسی کہانیاں ہماری سوسائٹی میں متعدد ملتی ہیں کہ بچے کو ماں کی غفلت اور لاپرواہی میں جو خادمہ پالتی ہیں وہ اسی کو ماں سمجھتا ہے۔ یہاں شاید منٹو نے اسی اہم مسئلے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرانی چاہی ہے۔

جہاں تک منٹو کے ڈراموں میں موضوعات کا تعلق ہے ان کے یہاں وہی موضوعات زیادہ نظر آتے ہیں جو ان کے افسانوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سماجی برائیاں اور ان پر طنز کرنا منٹو کا اہم موضوع رہا ہے۔ طوائف اور منٹو ایک زمانے میں لازملزوم ہو گئے تھے۔ انہوں نے متعدد کہانیوں میں طوائف کو

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

موضوع بنایا ہے۔ منٹو کے افسانوں کی طرح ان کے ڈراموں میں بھی ہر سو عورت ہی رقصاں نظر آتی ہیں۔ چاہے وہ، کروٹ کی سندری ہو، ''محبت کی آزمائش'' کی ساجدہ ہو، ''اس منجھدار میں'' کی اصغری اور سعیدہ ہو، ''تحفہ'' کی شیلا ہو، ''مامتا کی چوری'' کی چپلا ہو، ''اکیلی'' کی سوشیلا ہو، غرض ہر جگہ ان کے یہاں عورت ہی عورت دکھائی دیتی ہے۔ منٹو عورت کی نفسیات سے غضب کی واقفیت رکھتے تھے۔ جس کی بہت خوبصورت مثال ان کے ڈراما ''دو ہزار سال بعد'' میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں شوہر اپنی بیوی سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر ہر بار پہلے اپنا کوئی کام کہتی ہے۔ چند مکالمے نقل کرتا ہوں:

خاوند: ایک بہت بڑے عالم نے کہا ہے کہ،،،،

بیوی: مجھے یاد آیا یہ دھوبی تمہارے کالر کب استری کر کے لائے گا۔

شوہر: لے آئے گا۔۔۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک بہت بڑے عالم نے۔۔۔۔

بیوی: اور وہ حلوہ سوہن کدھر گیا۔۔ مجھے کل اپنی سہیلیوں کی ٹی پارٹی کرنا ہے۔

شوہر: لے آؤں گا۔ ٹی پارٹی آج تھوڑی ہے کل لے آؤں گا۔۔ ہاں تو ایک بہت بڑے عالم نے کہا ہے ک۔۔

بیوی: ٹھہرو یہ منے کے رونے کی آواز تو نہیں۔

خاوند: نہیں تو۔۔ خیریت تو ہے؟

بیوی: اچھا اب بتاؤ اس نے کیا کہا ہے۔

شوہر: ایک بہت بڑے عالم نے کہا ہے کہ دو ہزار سال کے بعد دُنیا پر عورتوں کا راج ہوگا۔ پر میں اب سوچتا ہوں کہ دو ہزار سال بعد کیوں؟۔۔۔۔ (ڈراما

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''دو ہزار سال بعد''ص:۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲۔ مشمولہ ''افسانے اور ڈرامے'')

عشق و محبت اور اسے پیدا ہونے والے مختلف مسائل بھی منٹو کے ڈراموں کا اہم موضوع رہا ہے۔ محبت میں کامیابی اور ناکامی کے علاوہ بھی بہت سے مراحل آتے ہیں جن سے عاشق اور معشوق کو گزرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کے موضوعات بھی منٹو کے ڈراموں میں ملتے ہیں۔ جیسے ''اس منجھدار میں''، ''محبت کی پیدائش''، ''تحفہ''، ''خودکشی''، ''ماچس کی ڈبیا'' وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ محبت کے جذبات کی پیشکش کے حوالے سے چند مکالمے ملاحظہ ہوں:

دیدی: پال تم نہیں سمجھے میں کیا چاہتا ہوں؟ میں چاہتا ہوں۔۔

پال: ہاں ہاں بولو۔۔۔ تم کیا چاہتے ہو۔۔

دیدی: میں یہ چاہتا ہوں تم محبت کرو۔ میں محبت کروں، سب محبت کریں۔ دنیا میں سب محبت کرنے والے بسیں۔۔۔ ہر ایک دل میں محبت ہو۔ آہ! پال تم نہیں سمجھے کہ اس ننھے سے لفظ میں کتنی مٹھاس ہے کتنی راحت ہے۔۔ محبت۔۔ محبت۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری آتما شبنم سے لدی ہوئی گھاس پر صبح کی ہوا سے کھیل رہی ہے۔ تم ضرور محبت کرنے کی کوشش کرو پال۔۔۔ بغیر محبت کے کوئی آدمی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (ڈراما ''ماچس کی ڈبیا'' مشمولہ ''کروٹ''، ص:۸۷)

منٹو کے ڈراموں کے کردار بھی بڑے جاندار ہیں۔ جو ہمارے معاشرے کے افراد کی ہو بہ ہو عکاسی کرتے ہیں۔ کرداروں کے انتخاب اور ان کی زبان کی پیشکش میں انہوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیت کا ثبوت پیش کیا ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

۔ان کے افسانوں کی طرح ان کے ڈراموں کے متعدد کردار بھی زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔جیسے ،رندھیر پہلوان ، چپلا ،سوشیلا ، خالد ،امجد ،جُگل ،گنیش ،مسز بھاٹیہ ، اصغری ،سلیمہ ،سعیدہ ،شامو ،گوپال وغیرہ

مختصراً یہ کہ منٹو کے ڈرامے اُردو ریڈیو ڈراما کی تاریخ میں اہم مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ان کے ڈرامے کہانی ،کردار ،پیش کش اور مکالمہ نگاری غرض ہر اعتبار سے فن ڈراما نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔افسوس کا مقام ہے کہ ان کی ڈراما نگاری پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے۔امید ہے کہ آنے والے وقت میں ہمارے ناقدین اور محققین منٹو کی افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ ان کی ڈرما نگاری کی جانب بھی توجہ فرمائیں گے۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

عرش صہبائی کی غزلوں میں تصور زندگی

ریاست جموں وکشمیر میں اردو غزل کے علم بردار شعراء میں جناب عرش صہبائی کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف صنف غزل سے والہانہ شغف رکھتے ہیں۔ اگرچہ دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کی شناخت بحیثیت غزل گو ہی زیادہ نمایاں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عرش ریاست میں اردو غزل کے میر کارواں ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ انہوں نے ریاستی سطح پر صنف غزل کی ایسی آبیاری کی ہے جو نا قابلِ فراموش ہے۔

جوش ملسیانی مرحوم نے ریاست جموں وکشمیر کے متعدد شعراء کے شعری ذوق کو سنوارنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ریاست میں ان کے شاگردوں کا حلقہ کافی وسیع ہے۔ وہ لگ بھگ ہر سال جموں میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں شرکت کی غرض سے آتے تھے۔ ایک کل ہند مشاعرے میں عرش صہبائی سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے عرش کو اپنا شاگرد اپنا شاگرد

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

بنایا۔اس طرح سے عرش صہبائی اپنا ابتدائی کلام اصلاح کے لئے جوش ملسیانی مرحوم کو بھیجنے لگے۔اس واقع کا تذکرہ عرش نے راقم کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران کچھ اس طرح کیا:

''جموں کے ایک کل ہند اردو مشاعرے میں قبلہ جوش ملسیانی کے نیاز حاصل ہوئے۔اس کے بعد میں نے اپنا کلام اصلاح کے لئے ان کی خدمت میں بھیجنا شروع کیا۔'' (عرش سے ایک ملاقات،اپریل ۱۵،۲۰۱۶)

اپنے شاگردوں کے حلقے میں جوش ملسیانی ،عرش کو بہت عزیز رکھتے تھے۔اوران کے کلام کے معترف تھے۔عرش کو وہ پنجاب اور دوسری جگہوں پر منعقد کیے جانے والے مشاعروں میں بھی مدعو کرتے تھے۔جن کی بدولت عرش ریاست کے باہر بھی مشہور ہونے لگے۔

عرش صہبائی نے اردو شاعری بالعموم اوراردو غزل بالخصوص کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔وہ جموں وکشمیر کے واحد ایسے شاعر ہیں جن کے ڈیڑھ درجن سے بھی زائد شعری مجموعے شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں ۔یہ سلسلہ ۱۹۵۸ء میں ان کے پہلے شعری مجموعے ''شکست جام'' کے منظر عام پر آنے سے شروع ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ''شگفت گل (۱۹۶۱)، صلیب (۱۹۶۳)، یہ چھونپڑے یہ لوگ (۱۹۷۵)، اسلوب (۱۹۹۱)، ریزہ ریزہ وجود (۱۹۹۵)، اساس (۲۰۰۱)، نایاب (۲۰۰۴)، توازن (۲۰۰۵)، دسترس (۲۰۰۷)، چشم نیم باز (۲۰۰۷)، عکسِ جمال (۲۰۰۷)، خوشبو تیرے بدن

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کی (۲۰۰۸)، خدوخال (۲۰۰۸)، تجھ بن چین کہاں (۲۰۰۹)، سائے تیری یادوں کے (۲۰۱۰)، جواز (۲۰۱۱)، شبنم تیری یادوں کی (۲۰۱۳)، دل کے خواب ادھورے (۲۰۱۴)، جیسے شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ عرش صہبائی کے اس گراں مایہ شعری سرمایہ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اردو غزل کی بے لوث خدمت کی ہے کیونکہ مذکورہ شعری مجموعوں میں متعدد بہ حصّہ صنف غزل پر ہی مشتمل ہے۔

زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں نعمت عظمیٰ ہے اس زندگی میں انسان روز افزوں نئی نئی منزلوں، حادثوں اور حالاتوں سے دو چار ہوتا رہتا ہے۔ زندگی ہر وقت، ہر عہد اور ہر زمانے میں نئے نئے روپ اور رنگ اختیار کرتی ہے۔ غرض زندگی مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ عرش کی غزل میں زندگی سب سے اہم اور متحرک موضوع ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں وہی کچھ بیان کیا ہے جو زندگی نے ان کو دیا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز کو عرش نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ تو اپنی غزلوں میں سمویا ہے۔ زندگی جامد نہیں بلکہ متحرک چیز کا نام ہے۔ عرش نے جس ماحول اور جن حالات میں اپنی زندگی گذاری ہے اس کی عکاسی نہایت خلوص کے ساتھ اپنی غزلوں میں کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

فضائے زندگی میں اک مہک سی پھیل جاتی ہے
کبھی دل میں جو تیری یاد کے غنچے چٹکتے ہیں
اور سب کچھ ہے مگر ایسا گھر کوئی نہیں
اس جہاں میں زندگی سے معتبر کوئی نہیں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

زندگی حادثوں کی ہے تقریب
وقت نامہ نگار ہوتا ہے
کوئی بھی ہو مرحلہ اس سے گذر جاتے ہیں عرش

ہم نہیں اُن میں جنہیں بار گراں ہے زندگی
اس میں غم بھی ہیں اور راحت بھی
زندگی کا یہی رکھ رکھاو ہے
میں نے تمام عمر گزاری ہے اس کے ساتھ
اس زندگی سے بڑھ کر کوئی خو برو نہیں

عرش زندگی میں بچپن سے ہی مشکلات اور مصائب میں مبتلا رہے ہیں۔زندگی کی بعض بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہے ہیں۔ ان کے سفر حیات میں ان پر مصیبتوں اور پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹے ہیں مگر انہوں نے ایک حساس انسان اور شاعر کی طرح ان کٹھن ایام کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا اور ماتھے پر شکن تک نہیں آنے دیا۔کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ ہمیشہ ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور ہنستے مسکراتے مشکلات کا سامنا کرنے میں کامیاب ہوئے۔وہ زندگی کی دھوپ چھاوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔اور ہر حال میں زندگی جینے کا طریقہ اور سلیقہ جانتے ہیں۔اشعار دیکھیے:

گو زیست میں ہر چیز سے محروم رہے ہیں
یہ ظرف طبعیت ہے کہ ہم جھوم رہے ہیں
جو بھی لمحہ ہے تپتی ہوئی ریت ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

زندگی کربلا کے سوا کچھ نہیں
زندگی گزری ہے میری مسئلوں کے درمیان
زندگی کے مسئلے میری طرح سمجھے گا کون

عرش کی غزلوں میں زندگی کے متنوع موضوعات کے پیش نظر ڈاکٹر جاوید وشسٹ انہیں مغنی حیات کا لقب دیتے ہیں اور ان کی شاعری میں انفرادیت کی وجہ بھی زندگی کو ہی ٹھہراتے ہیں، لکھتے ہیں:

''عرش نے اپنی شعری انفرادیت کا سنگِ بنیاد زندگی کی پر رکھا ہے۔ اس لئے وہ استوار بھی ہے اور زندگی کےجمود سے بے نیاز بھی، اس میں روانی بھی ہے اور تسلسل بھی۔ ۔عرش صہبائی نے اپنی غزلوں میں زندگی کو اسطرح پیش کیا ہے کہ وہ خود اپنا محور بن جاتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان کی غزل میں آ کر زندگی خود غزل بن جاتی ہے۔'' (بحوالہ کرن کوشل ٹھاکر، عرش صہبائی، اردو غزل کی عہد ساز شخصیت، ص:۱۷)

رنج وغم اور راحت ومسرت زندگی کے اہم تجربات ہیں۔ جن سے ہر خاص وعام نبرآزما ہوتا ہے۔ عرش صہبائی کی زندگی میں بھی ان دونوں پہلوون کا نمایاں اثر رہا ہے جہاں وہ خوشی اور سکون کے لمحات کی خواہش کرتے ہیں اور کسی حد تک ان کو یہ حاصل بھی ہوتی ہیں۔ وہی وہ دور وغم کو بھی عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کی حقیقت ان دونوں چیزوں پر مبنی ہے۔ عرش نے اپنی متعدد

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

غزلوں کے اشعار میں زندگی کی اس ٹھوس حقیقت کو بڑی فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چند اشعار یہاں اس حوالے سے نقل کرتا ہوں :

خزاں کا عکس بھی ہے پر تو بہار بھی ہے
یہ زندگی غم وراحت کا آبشار بھی ہے

یہ بحر زندگی ہے مختلف ہیں زاویئے اس کے
سکوت بیکراں کے ساتھ طغیانی بھی ہوتی ہے

ہم سفر ہے آفتوں کا اک ہجوم
زندگی میں ہم کبھی تنہا نہیں

ہے لذت حیات سے ناآشنا ابھی
وہ بد نصیب دل کہ جو محروم غم سے ہے

راحتیں چونکہ دائمی نہیں ہوتی ہیں مختصراور قلیل مدت تک ساتھ نبھاتی ہیں اس لئے عرش راحتوں کے بہ نسبت رنج وغم کو زیادہ مرغوب رکھتے ہیں۔غم ایک ایسی چیز ہے جوانسان کو بہتر زندگی جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔عرش رنج وغم کو زندگی کا لازمی جز وتصور کرتے ہیں۔مصائب وآلام عرش کے مطابق زندگی کو با مقصد بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔راحتیں انسان کو بے فکر بنا دیتی ہیں جبکہ غم اس کو فکر،عزم،حوصلہ،ہمت جیسی چیزوں سے بہرہ ور کرتا ہے۔اگرچہ عرش ایک طرف خوشی،سکون،راحت ومسرت کے لئے ترستے بھی نظر آتے ہیں وہیں دوسری جانب ان چیزوں کو ناپائیدار اور عارضی سمجھ کر غم کو ہی اپنا ہم دم مانتے ہیں۔جس نے زندگی کے ہر موڑ پر ان کا ساتھ کسی بے لوث ساتھی کی طرح دیا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

راحتیں ابر رواں بن کر بکھر جائیں گی عرشؔ
زندگی کی ہر حقیقت غم کے پس منظر میں دیکھ

ڈھونڈتے ہی رہ گئے ہم راحتوں کے سلسلے
زندگی میں ہر قدم پر غم کی زنجیریں ملیں

جینے کی خاطر غم لازم ہوتے ہیں
یہ کشتی طوفان کے سہارے چلتی ہے

غنیمت ہے کہ راحت اور غم پہلو بہ پہلو ہیں
وگرنہ زندگی بے کیف سا افسانہ بن جائے

زندگی ایک مرقع ہے غم وراحت کا
خار وگل دونوں سے تزئیں چمن ہوتی ہے

اس میں غم بھی ہے اور راحت بھی
زندگی کا یہی رکھ رکھاو ہے

پروفیسر عبدالقادر سروری عرش کی غزلوں میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''حیات اور کردار حیات کے بارے میں ان کے اپنے تجربات اور مشاہدات ہیں۔ یہ موضوع غزل کی شاعری کے لئے نیا نہیں لیکن جب شاعر کا ذاتی احساس اس کو دہراتا ہے تو وہ نئے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً غالبؔ کی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

طرح جو زندگی کو بند غم جانتے ہوئے بھی ایک عملی مفکر کی طرح اس کے امکانات سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے اور اپنے عدم زندگی پر ہر حال فوقیت دینے پر مجبور تھے۔عرش بھی زندگی تلاش، راحت وعشرت میں ناکام رہ کر بھی زندگی کے قدر دان ہیں۔''

(پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو؛ حصہ سوم، ص:۷۴)

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

شاعرِ ہزار امکان

فرید پربتی

فرید پربتی ۱۹۸۰ء کے عشرے میں وار دِ گلستان شعر ہوئے ہیں اور جب سے آخری سانس تک وہ شعروشاعری کے ساتھ منسلک رہے۔انہوں نے اپنے تجربات کی پیش کش کے لئے غزل ،نظم ، رباعی ،قطعہ ،حمد ،نعت ،منقبت وغیرہ جیسی شعری اصناف کا انتخاب کیا ہے،لیکن اُردو ادب میں ان کی پہچان اور شناخت بحیثیت غزل گو اور رباعی گو شاعر کے قائم ہوئی ہے۔یہاں ہم ان کی غزل گوئی کو ہی زیر بحث لانے کی سعی کریں گے ۔فرید شاعری اور لوازمات شاعری کے دل دادہ رہے ہیں ۔شاعری کے میدان میں داخل ہونے کے بعد بہت ہی قلیل عرصے میں وہ کامیابی کی منزلوں کو چھونے لگے ۔وادیٔ اُردو میں فرید کا پہلا گلاب ۱۹۸۷ء میں ''ابر تر'' کی صورت میں کھلا ہے ۔یہ شعری سوغات غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔جس کی نہ صرف کشمیر بلکہ بیرون کشمیر کے ادبی حلقوں میں بھی اچھی خاصی پزیرائی ملی ۔اس مجموعے کے چرچے ابھی لوگوں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کی زبان پر موجود ہی تھے کہ فرید پربتی ایک اور خوبصورت تحفہ ''آب نیساں'' ۱۹۹۲ء کی شکل میں اپنے قارئین کے لئے لیکر آئے۔ اس مجموعے کو بھی لوگوں نے بہت پسند کیا۔ فرید نے یہیں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مسلسل شاعری کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے رہے اور ایک سے بڑھ کر ایک موتی اس سمندر سے نکال لاتے گئے۔ ''ابر تر'' اور ''آب نیساں'' کے بعد ''اثبات'' ۱۹۹۷ء، ''فرید نامہ'' سن ۲۰۰۰ء، ''ہزار امکان'' ۲۰۰۶ء، ''خبر تحیر'' ۲۰۰۷ء، کے ناموں سے یکے بعد دیگرے فرید پربتی کے شعری مجموعے منظر عام پر آتے گئے اور قارئین اور ناقدین ادب سے داد و تحسین وصول کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی ۲۰۱۰ء میں فرید نے ''ہجوم آئینہ'' کے نام سے کلیات بھی شائع کیا۔

فرید پربتی نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا ہے، اور اس فن میں مسلسل مشق جاری رکھنے کے باعث انہوں نے اُردو کے شعری حلقوں میں بہت جلد اپنی شناخت ایک اچھے اور صاحب اسلوب غزل گو کے طور پر قائم کی ہے۔ فرید کی غزلوں میں اگر موضوعات کے اعتبار سے بات کریں تو ان کے یہاں یکسانیت نہیں بلکہ تنوع پایا جاتا ہے۔ موصوف نے اپنے آپ کو کسی مخصوص تحریک، رجحان، تجربے یا احساس کے دائرے میں قید نہیں کیا، بلکہ زندگی اور اس کے نشیب و فراز ان کی غزلوں میں راہ پاتے ہیں۔ فرید روایتی شاعری کے ساتھ والہانہ شغف رکھتے ہیں۔ اگر چہ ان کا تعلق جدید اور مابعد جدید دور سے رہا ہے، لیکن ان کی شاعری ماضی کی قدیم روایات کی بازیافت بھی کرتی ہوئی نظر آتی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ فرید پربتی ایک ایسے سخنور ہیں جن کے یہاں روایت اور جدیدیت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ وہ پرانی لفظیات کو نئے اور جدید فکری سانچوں میں ڈھالتے ہیں اور ایک انوکھی اور نادر شعری دنیا کو آباد کرتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

عشق میں عزتِ سادات گئی کیا اس کا غم
دل کی نسبت یہ کبھی نام ونسب پوچھتی ہے

ڈھونڈنے نکلا ہوں اپنے آپ کو
کوئی کہتا تھا مجھے اپنا تو بن

درونِ خانہ سے غافل ہے لیکن
بیرونِ خانہ زینت کر گیا وہ

یہ جانتا ہوں تغیر ہے زندگی کی دلیل
میں اس لئے بھی تیرا انتظار کر نہ سکا

عجیب لطف دیا مجھکو عشق تازہ نے
میرے وجود میں اب ناچتا ہے مور نیا

میرے سر پے ہے باقی ایک سایہ میرے ماضی کا
سنبھل کر عصر حاضر کا نظارہ کر رہا ہوں میں

فرید پربتی کی غزلوں میں روایت کی پاسداری اور جدیدیت کی رواداری کے حسین امتزاج کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قدوس جاوید ان کو عصرِ حاضر

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کے ایک اہم غزل گو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرید پربتی کی غزلیہ شاعری اُردو غزل کی مضبوط و مستحکم روایت پر اپنی اساس رکھتی ہے لیکن اپنے انداز میں اپنے تخلیقی شرطوں کے ساتھ۔۔۔۔فرید کی غزل کلاسیکی غزل کے لسانی اور اظہاری رویوں سے رشتہ تو رکھتی ہے لیکن دوسری جانب عصری زندگی اور ثقافت کے حوالے سے سوچ اور فکر کو تخلیقی تجربہ کے بطور شعر میں پیش کرنے کی ہنر مندی کے سبب جدید ترین لسانی اور جمالیاتی شعور کا جواز بھی پیش کرتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے کہا ہے۔''یہ بالکل ممکن ہے کہ غزل جدید بھی ہو اور کلاسکی اصولوں کی پابندی بھی کرے'' فرید کی غزل اس کی عمدی مثال ہے۔''

(مشمولہ ''فرید پربتی شعر شعور اور شعریات''، مرتب، سلیم سالک، ص، ۴۸)

فرید پربتی فکر و احساس کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں کے بیشتر اشعار قاری کو سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ زندگی کے تلخ اور شیریں حقائق سے فرید تمام عمر جوجھتے رہے۔ انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے محسوس کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں زندگی اور متعلقاتِ زندگی کے کئی مسائل موضوع کی شکل میں رونما ہوئے ہیں۔ عصر حاضر کے انسان کی ناکامی، محرومی، بے چارگی اور تنہائی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جیسے موضوعات فرید کی غزلوں میں ان کے مخصوص لہجے کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں ۔فرید کے کلام میں اساتذہ غزل کے مثبت اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ وہ اساتذہ کے انداز سے متاثر ضرور ہوئے ہیں لیکن اس کو اپنے اسلوب اور بیان پر حاوی نہیں ہونے دیتے ہیں ۔ وہ اپنے جذبات کو اپنی آواز اور اپنے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ فرید نے اپنے خیالات کی خوب صورت ترسیل کے لئے اپنا اسلوب، انداز اور لہجہ ایجاد کیا ہے، جس میں فرید کی تخلیقی صلاحیت کی انفرادیت مضمر ہے۔اس انداز کو انھوں نے بڑی محنت اور لگن سے پیدا کیا ہے۔فرید پر بتی کے لہجے کی متانت کو ان کے درج ذیل اشعار میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

مدتوں جی لئے مگر اب تک
زندہ رہنے کے ڈھب نہیں آتے

کن حادثوں کو دیکھ کر سکتے میں آئے لوگ
حیران ہر نگاہ ہے اور ہر زبان بند

کرتا ہے خواہشوں کا مری پھر وہ احتساب
کہتا ہے بول کیا ہے تمہارا سرِ فلک

اٹھتا ہے عجب درد مسلسل میرے دل میں
ہے ہاتھ اسی کا میری تعمیر میں شاید

پہلے پوچھا جو نہیں تھا وہی سب پوچھتی ہے
زندگی رات سے جینے کا سبب پوچھتی ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کھو گئے گاڑھے دھوئیں میں شہر کے منظر تمام

اک پرندہ رہ گیا آہ وفغاں کرتا ہوا

علامت سازی اور پیکر تراشی میں بھی فرید پربتی نے اپنی ذہنی فراست اور فنی پختگی کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔فرید زبان اور بیان پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔انہوں نے عصری مسائل کو مختلف استعاروں اور پیکروں کی صورت میں اپنے منفرد انداز میں اپنی غزلوں میں برتا ہے۔جن کی بدولت ان کی غزلوں میں معنی ومفاہیم کے نئے درواہوتے ہیں۔ان استعاروں اور پیکروں کے استعمال سے فرید پربتی کی غزل میں معنی آفرینی اور مضمون آفرینی کے عمدہ اور نادر تجربات نظرنواز ہوتے ہیں۔''خواب'' فرید پربتی کی غزلوں میں ایک کلیدی استعارے کی صورت میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔فرید پربتی خواب اور خوابوں کی دنیا کو عزیز رکھتے ہیں۔زندگی کے سفر میں وہ کبھی خوابوں کو خریدتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی بیچتے ہوئے،کبھی چاند ستاروں کی انوکھی دنیا میں پہنچنے کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔وہ زندگی کی ہزار مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے اندر حسین اور روشن مستقبل کے خوابوں کی شمعیں فروزاں رکھنے کے روادار نظر آتے ہیں۔فرید پربتی نے اپنے کلام میں خوابوں کا ہجوم تخلیق کیا ہے۔وہ خواب کو زندگی کا لازمی جزو تسلیم کرتے ہیں۔فرید خوابوں کی دنیا کو کس طرح اپنی غزلوں میں آباد کرتے ہیں،اور خواب کی حقیقت اور فسانے کو کس طرح افہام وتفہیم کے نئے معنوں میں استعمال کرتے ہیں،اس کا بھرپور اندازہ ان کے درج ذیل

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

بچا کے رکھ لیے جو خواب اپنی خاطر تھے
اُنہی کی تاک میں سارا زمانہ رہتا ہے

رنگوں کے تعقب میں وہ ہے سرگرداں
خوابوں کی بس اک دھن میں رواں ہوں میں بھی

تمام عمر خریدے اور بیچے خواب
علاوہ اس کے کوئی کاروبار کر نہ سکا

آتے ہیں خواب میں نظر چاند اور ستارے
ہے گھر سے نکلنا مری تقدیر میں شاید

میں خوابوں کی شمعیں جلاؤں گا اک دن
زمیں پر ستاروں کو لاؤں گا اک دن

لے نکلا ہوں میں پھر سوختہ خوابوں کا جلوس
خود تماشائی بنوں خود ہی تماشا ہو جاؤں

خوابوں کا اک ہجوم شکیبائی لے گیا
چھوڑا مجھے مگر مری تنہائی لے گیا

وسوسوں کے شہر میں اپنا مقدر دیکھ کر
مر رہا ہوں تل تل خوابوں کو بنجر دیکھ کر

نہیں دور ہے خوابوں سے کیوں حقیقت

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

میں تفصیل اس کی سناؤں گا اک دن

'خواب' کے علاوہ فرید کی غزلوں میں دیگر اہم استعاروں میں، چراغ، دھوپ، روشنی سایہ، دیوار، دشت، طوفان، درخت، مکان، آندھی، کشتی، شاخ، تتلی، ثمر، شجر، گھر، بھنور، پرندہ، دھنک، خزاں، دھواں، گل، شب، وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان الفاظ کے علامتی استعمال سے فرید پربتی کی غزلوں میں معنوی تہہ داری پیدا ہوئی ہے۔ فرید اپنے تجربات اور خیالات کو مذکورہ استعاروں کے سہارے سے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کچھ اس طرح نوکِ قلم پر لاتے ہیں:

خریدوں گا میں اب سایہ کہاں پر
کہ بکتی دھوپ ہے ایک اک دکان پر

خود ہی رکھتا ہے دیے تیز ہوا کی زد پہ
اور آندھی سے خبردار بھی کر دیتا ہے

یاد کے گہرے سمندر میں نہ ڈالو پتھر
دائرے سے کھینچتی ہے موج ہوا پانی پر

اُداسیوں کے پرندے منڈیر پر رکھ کر
خموشیوں کے شجر صحن میں اُڑا گیا

دور لگتا ہے مجھے پاس کا ہر اک منظر
پھیلتا جاتا ہے یہ کیسا دھواں ایک نیا

شاعر اپنے معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے۔ وہ اپنے گرد و نواح کے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

حالات وحادثات سے دیگر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اپنی اس حسی قوت کو بروئے کار لاکر اپنے سماج اور ماحول کی صورت حال کو شعری زبان میں عکاسی کرتا ہے۔فرید پربتی بھی اپنے ملک وطن کے حالات وواقعات سے پوری طرح آگاہ ہیں، کشمیر گزشتہ دو چار دہائیوں سے جن حالات سے نبرد آزما ہے، اس کا اثر عام لوگوں کے ساتھ ساتھ یہاں کے تخلیق کاروں پر بھی براہ راست پڑا ہے ۔وادی کے نامساعد حالات ،لوٹ مار، قتل و غارت گری ، بے چینی و بے یقینی ، محرومی، ناامیدی، جبر واستحصال ،عدم تحفظ اور انسانی حقوق کی پامالی وغیرہ کا اظہا رفرید پربتی نے اپنی شاعری میں متعدد جگہ کیا ہے ۔فرید اپنے ہم وطنوں کے دکھ درد اور لاچاری سے بہت رنجیدہ ہوتے ہیں چونکہ وہ اسی معاشرے کے ایک ذی حس فرد ہیں لہٰذا وہ اس درد و بے چینی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں، اور پھر اس کا برملا اظہار اپنے کلام میں کچھ اس طرح کرتے ہیں ۔

گھر میں بیٹھا سوچ رہا تھا مجھ سا دکھی ہے گھر میں کون
چھت پر چڑھ کر میں نے دیکھا لگی ہوئی ہے گھر گھر آگ

اب اسی شہر میں کرتا ہوں طلب جائے اماں
لوگ جس شہر سے جان اپنی بچا کر نکلے

رونق یہ میرے شہر کی لے گیا کون
ایک اک سڑک خموش ہے ایک اک دکان بند

اس درجہ گھٹ گیا ہے مکینوں میں اعتماد

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کرتے ہیں شام ہونے سے پہلے مکان بند
ایسا تو ایک شخص نہیں میرے شہر میں
جس کو کہ اب ملالِ زوال، شرف رہے
یہ عصر، کربلا سے نہیں کم کسی طرح
ہر حق پرست ہے یہاں مظلوم بے طرح
اس درجہ بڑے نقلِ مکانی کے یہاں شغل
تعمیر کہیں پر بھی مکان کر نہیں پائے
ستم کو دینے کو عنوان نیا فریدؔ اس نے
پھر ایک بار حریفوں سے اشتراک کیا

مرقومہ اشعار کشمیر اور اہلِ کشمیر کی حالتِ زار کی منہ بولتی تصاویر پیش کرتے ہیں۔ شاعر کو اپنے وطن کے روزمرہ حالات سے شدید صدمہ پہنچا ہے، کیوں کہ ایسے حالات کی وجہ سے ان کے شہر کی رونق ماند پڑھ گئی ہے۔ لوگ خوف و دہشت سے سرِ شام اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ فرید کو اپنے وطن کا موجودہ دور کربلا جیسا معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے یہاں بھی کربلا کے حق پرستوں کی طرح ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ ان حالات سے ہر ایک نہ صرف متاثر ہوا ہے بلکہ وہ اس کی شکایت تک نہیں کرتے کیوں کہ ظلم کو مزید تقویت دینے کے لئے اپنوں نے غیروں کے ساتھ ہاتھ ملایا ہے۔

ہر شاعر اپنے جذبات اور تجربات کے اظہار کے لئے ایک مخصوص

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ڈکشن تیار کرتا ہے، جو اس کی ذہنی پختگی اور فکری بالیدگی کا مظہر ہوتی ہیں۔فرید پربتی نے بھی الفاظ وتراکیب کی ایک انوکھی اور نرالی کہکشاں تیار کی ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں ترکیب سازی کے نمایاں جوہر دکھائے ہیں۔اپنے جذبات کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لئے روایتی تراکیب کے ساتھ ساتھ نئی اور معنی خیز ترکیبیں بھی تراشیں ہیں۔جو اردو غزل میں ایک اہم اضافہ قرار دی جاسکتی ہیں۔فرید کی خلق کردہ تراکیب میں ،شکستہ پیکر ،بکتی دھوپ،سائے دیوار ،حدادراک ،لہورنگ ،تیرہ بخت ،مرقد کا دیا ،بے جرم اسیر ،آسودہ مکان ،آبِ بقا، سنگ زنی ،لمحاتِ گریزاں ،جائے اماں ،حصارِ باغ ،خوش رنگ تتلیاں ،موجِ ہوا، سلگتے خواب ،ہجومِ خواب ،سلگتی ریت ،چراغِ یاد ،قربت دوروزہ ،راہِ طلب ،گہرا کرب ،نقشِ تحیر ،کہنہ الم ،متاعِ غم ،بے چہرہ خواہشات ،ریگ رواں ،اجاڑ راستے اور خوش نوایانِ چمن وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان تراکیب کو بروئے کار لاکر فرید پربتی اپنے احساسات وجذبات کو تخلیقی اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں۔فرید کی غزلوں میں ترکیب سازی، علامت نگاری اور پیکر تراشی کا ایسا خوب صورت التزام ملتا ہے، جو ان کی زبان دانی اور وسیع مطالعے کا نتیجہ کہلایا جاسکتا ہے۔ پروفیسر نورالدین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”فرید پربتی نے اپنی جودتِ طبع اور ذرخیز قوت، متخیلہ سے اردو غزل کو نئی فکر، نئی سوچ اور نیا تیور دیا ہے ---۔ان کے ہاں پیش پا افتادہ مضامین سے گریز،

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

پامال لفظیات سے اعتراض اور نئی پیکر تراشی اور
استعاروں وعلامتوں کو نئے معنوی پسِ منظر میں استعمال
کرنے کا رجحان نظر آتا ہے۔''

(مشمولہ ''شیرازہ'' فرید پربتی نمبر، ص ۲۸،۲۹)

فرید پربتی فنِ عروض پر بھی کامل دسترس رکھتے ہیں۔ مروجہ ردیف اور قافیوں کے ساتھ ساتھ فرید کے یہاں مشکل اور نامانوس ردیفوں اور قافیوں کا التزام بھی ملتا ہے۔ لیکن معنی ومفہوم پر آنچ نہیں آنے دیتے ہیں۔ چھوٹی بڑی دونوں بحروں کو برتنے پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ فنِ غزل گوئی کے اسرار و رموز سے پوری آگہی رکھتے ہیں۔ فرید پربتی کے یہاں مشکل زمینوں میں بھی غزلیں ملتی ہیں لیکن وہ اس فن سے اچھی طرح واقف ہونے کی بدولت بظاہر اس کٹھن مرحلے سے بھی بڑی ہنرمندی اور آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ فرید کی غزلوں میں جو بات کھٹکتی ہے وہ ان کی بعض غزلوں میں موجود غیر ضروری اور بھرتی کے اشعار ہیں۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ، زبان وبیان، علم وآگہی، فکر وفن، عروض وآہنگ، مضمون ومعنی، تخیل واحساس غرض ہر سطح اور ہر اعتبار سے فرید پربتی ایک کامیاب غزل گو شاعر ہیں۔ اگرچہ آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن ان کا نام ان کے کلام کی بدولت وادیٔ غزل میں ایک خوبصورت گلاب کی مانند ہمیشہ مہکتا رہے گا۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جدید اُردو غزل کے ماہتاب

پرتپال سنگھ بیتابؔ

ریاست جموں وکشمیر میں آزادی کے بعد اردو شاعری کے میدان میں نمودار ہونے والے شعراء میں ایک اہم نام پرتپال سنگھ بیتاب کا ہے۔ جن کا تعلق صوبہ جموں کے پونچھ ضلع سے ہے۔ بیتابؔ ۲۶ جولائی ۱۹۴۹ء کو کھڑی دھرم سال پونچھ میں تولد ہوئے ہیں۔ مقامی اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے جموں کے گاندھی میموریل کالج سے بی اے کیا ہے۔ ایم اے سیاسیات اور ایل ایل بی کی اسناد جموں یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ علاوہ ازیں مرکزی سول سروس (آئی اے ایس) کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور یوں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ مختلف سرکاری شعبہ جات میں رہ کر اپنی خدمات انجام دینے کے بعد موصوف آجکل سبکدوشی کی زندگی جموں کے گاندھی نگر علاقے میں گزار رہے ہیں۔

ریاست جموں کشمیر کا پونچھ علاقے اردو زبان وادب کے اعتبار سے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نہایت ہی ذرخیز علاقہ رہا ہے۔ یہاں ہزاروں شعراء اور ادباء آج تک پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اردو نظم ونثر کی خوب خدمت کی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اور اسی سلسلے کی ایک اہم اور اٹوٹ کڑی پرتپال سنگھ بیتابؔ ہے۔ بیتابؔ کو شاعری کی جلا سکھوں کی مذہبی کتاب گوروگرنتھ صاحب سے ملی ہے، جس کا اعتراف انہوں نے راقم کے ساتھ ایک ذاتی ملاقات کے دوران کیا۔ اس کتاب میں شامل صوفیوں، سنت کویوں اور گوروں کی بانی جو شاعری کی شکل میں ہے۔ پڑھ کرسن کر اور گا کر بیتابؔ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پونچھ کے ادبی اور شعری ماحول نے بھی انہیں اردو ادب کی طرف مائل کیا ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز چودہ پندرہ سال کی عمر میں پنجابی اور اردو میں کہانی، غزل اور نظم گوئی سے کیا ہے۔ جو بعد میں صرف اردو شاعری تک ہی محدود رہا ہے۔ موصوف کا بچپن سے ہی شاعری سے خاص دلچسپی اور فطری لگاؤ رہا ہے۔ جس کو انہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پروان چڑھایا۔ بیتاب نے قدیم شعراء میں میرؔ، غالبؔ، ذوقؔ، داغؔ وغیرہ کے کلام کا خوب مطامعہ کیا ہے اور ان سے اثر بھی قبول کیا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے شاعری کے لئے اپنی ایک الگ اور منفرد راہ اختیار کی۔ جس مین وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ بیتاب کی شاعری دو حصّوں نظم اور غزل پر مشتمل ہے۔ اس لئے بعض نقاد انہیں نظم گو اور بعض غزل گو شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر شفق سوپوری کے مطابق بیتابؔ غزل اور نظم دونوں اصناف میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس قبیل کے اردو میں چند ایک شعراء ہی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

> ''میں نے ہمیشہ ایسے شاعروں پر رشک کیا ہے جو اچھی غزل کہنے کے ساتھ ساتھ اچھی نظم کی صلاحیت کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ اردو میں گنتی کے ایسے کامیاب شعراء ہیں جنہوں نے دونوں اصناف میں اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ پرتپال سنگھ بیتابؔ بھی ان شعراء کی صف میں شامل ہیں۔'' (جہات، ص، ۳۵)

دوسری طرف ڈاکٹر انور سدید کا ماننا ہے کہ اگر چہ پرتپال سنگھ بیتابؔ اچھی نظم بھی کہتے ہیں البتہ اردو ادب میں ان کو جو مقام حاصل ہے اس میں غزل کا کردار زیادہ اہم رہا ہے۔ ایک مضمون ''پرتپال سنگھ بیتابؔ کی غزلیہ شاعری'' میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان کے ممتاز شاعر پرتپال سنگھ بیتابؔ اگر چہ اردو شاعری کی متعدد اصناف کے تخلیق کار ہیں۔ نظم نگاری میں انہیں اکیسویں صدی کے جدید شاعروں میں بلند مقام حاصل ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ان کے ادبی تشخص میں ان کی غزل زیادہ معاون ہے۔'' (سہ ماہی سرسبز، بیتاب نمبر، ص: ۵۵)

اگر چہ بیتابؔ کا کلام نظم وغزل دونوں اصناف پر مشتمل ہے لیکن اس میں متعدد حصّہ غزل کے پیرائے میں ہی موجود ہے۔ اور یہاں پر ہم بیتابؔ کی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ہی بات کریں گے۔ بیتابؔ کا پہلا شعری مجموعہ

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

۱۹۸۰ء میں ''پیش خیمہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس کے بعد ان کے یکے بعد دیگرے متعدد مجموعے منظر عام پر آئے۔جن میں 'سراب در سراب'' (۱۹۸۴ء) ،خودرنگ (۱۹۹۵ء)، کیکٹس اور گلاب (۱۹۹۹ء)، دی تھرڈ سٹنڈاڈ (۱۹۹۹ء)،موج ریگ (۲۰۰۳ء)،نظم اکیسویں صدی،شہر غزل،فلک آچار (۲۰۱۳ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ادبی زندگی کے آغاز سے لیکر تا حال مسلسل بیتابؔ ہندو پاک کے نامور اورشہرت یافتہ ادبی رسائل اور جرائد میں چھپتے ہیں۔ملک کے جن موقر رسائل میں بیتابؔ کا زیادہ کلام شائع ہوتا رہا ہے ان میں ''شب خون'' الہ آباد، ''شاعر ''ممبی، ''الفاظ'' علی گڑھ، ''اوراق'' لاہور، ''ایوان اردو'' دہلی، بیسویں صدی'' دہلی، ''سطور'' دہلی، ''ذہن جدید'' دہلی، ''صبح امید'' ممبئ ''شیرازہ'' سرینگر، '' انڈین لٹریچر'' ساہتیہ اکیڈیمی دہلی، ''اردو الائیو' لدھیانہ،سر سبز'' دھرم شالہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بیتابؔ کا کلام ان کے ہم وطن معاصرین کے مقابلے میں سب سے زیادہ مذکورہ بالا رسائل میں چھپا ہے۔جس کا تذکرہ مظہر امام نے اپنے ایک مضمون میں ایک جگہ یوں کیا ہے۔

> ''ان کا (بیتابؔ) شمار جموں و کشمیر کے سب سے زیادہ چھپنے والے شاعروں میں ہوتا ہے۔'' (دو ماہی ''تعمیر'' سرینگر انتخاب نمبر، ستمبر ۱۹۹۹ء، ص:۱۸۱)

بیتابؔ اردو غزل کی ایک منفرد اور توانا آواز ہے۔جموں و کشمیر میں آزادی کی بعد کے غزل گو شعراء کی صنف میں وہ دور سے پہچانے جاتے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہیں۔انہوں نے قدیم روایات شعر کا کسی حد تک پاس رکھنے کے باوجود ایک الگ راہ اختیار کی ہے۔جوان کی اپنی ہے اور جس میں ان کو کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔اس کا اعتراف یوں کرتے ہیں؛

توڑ آیا ہوں اک روایت کو
اک روایت کا پاسبان بھی ہوں

بیتابؔ نے جب شاعری میں اپنے قدم جمانے شروع کیے تھے اس وقت جدیدیت کا دور عروج پر تھا۔بیتابؔ نے بھی اس کا استقبال کیا اور اس کے ساتھ منسلک ہوئے۔یہاں تک انہوں نے کسی طے شدہ راستے پر چلنے کے بجائے اپنے ایک ترچھی مگر انوکھی اور نرالی راہ کا انتخاب کیا جس میں بہت کامیابی کے ساتھ آگے نکلے ہیں۔چند اشعار دیکھئے:

سیدھے راستوں پر ہمیشہ بھی نہ کرئے تہیہ
اپنی جاگیر میں اک ترچھی ڈگر بھی رکھیے
بیتابؔ اجنبی تھا سبھی کے لئے مگر
برپا تمام شہر میں اکہرام کر گیا
الگ پہنچان تھی بیتابؔ کس کی
قطاروں میں کہیں ہم بھی کھڑے تھے
بونے ہو جائیں گے یہ سارے اکابر ایک دن
ایک دن ہو جائیں گے ہم بھی قدآور دیکھنا

بیتابؔ نے اپنی غزلوں کے لئے ایک مخصوص لفظیات کا انتخاب کیا ہے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

جوایک انوکھا شعری منظر نامہ پیش کرنے میں ان کا بھروسہ ساتھ دیتا ہے۔نامانوس اور فارسی الفاظ ان کے کلام میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔انہوں نے ایسے الفاظ کا استعمال بہ کثرت کیا ہے جن سے عام قاری بخوبی واقف ہے۔عمارت،کھنڈر، سمندر، جزیرہ، زندگی، کوہسار، اعتبار، سفر، شہر موسم، ثمر ڈگر، غار، دریچہ، پروانہ وحشت، بھیڑ، صدیاں، وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو بیتابؔ کی غزلوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان میں بعض الفاظ جیسے سمندر، جزیرہ، شہر، سفر، پتھر، نیند وغیرہ کا استعمال کئی مرتبہ ہوا ہے لیکن یہ الفاظ ہر بار نئے مفاہیم کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔جس سے شاعر کے قوتِ تخیل کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ دے پختہ عمارت اک کھنڈر دے
میں بے گھر ہوں مجھے کوئی گھر دے

نہ دے اونچائی میرے قد کو بے شک
میری ہر شاخ کو لیکن ثمر دے

جس کو ساحل سمجھ رہے تھے ہم
وہ جزیرہ دکھائی دیتا ہے

موسم تو کئی آئے مگر خواب ہمارے
سوکھے ہوئے پتوں کی طرح گرتے رہے ہیں

لفظ سفر کے ساتھ بیتابؔ کو ایک خاص اُنسیت نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ان کی غزلوں میں سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔بعض غزلیں تو ایسی ہیں جن میں دو تین بار لفظ سفر در آیا ہے۔لیکن ہر غزل میں ایک نیا اور الگ معنی فراہم کرتا

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہے۔شعر دیکھ کر اندازہ ہو جائے گا:

اب سفر ہے نہ کوئی رختِ سفر
سر پر اک بار گراں تھا پہلے

ڈھونڈتے تھے ہمیں لمحے کیا کیا
اور صدیوں کے سفر میں ہم تھے

اک میدان تھا تصور میں
جب سفر میرا کوہسار میں تھا

یہ آبلہ پائی تو میرا عزمِ سفر ہے
جانا ہے مجھے وادی پُرخار سے آگے

مذکورہ بالا اشعار میں اگر لفظ ''سفر'' پر غور کیا جائے تو ہر شعر میں بیتابؔ نے اسے نئے مفہوم میں پیش کیا ہے جو دل کو چھو جاتا ہے اور ان کی ذہنی اُپج کا عین ثبوت ہے۔

عصر حاضر میں انسان جن حالات و واقعات سے نبرد آزما ہو رہا ہے۔ان کی بھرپور عکاسی بیتاب نے اپنی غزلوں میں کی ہے۔تنہائی،محرومی،خود شناسی،غلامی،لاحاصلی،بدگمانی،گوشہ نشینی،فردیت،نااُمیدی،مادیت،قدروں کی گراوٹ،رشتوں کی ناپائیداری،مادی مسابقت،عدم تحفظ،ادھورا پن،وغیرہ ایسے موضوعات ہیں۔جن کو موصوف نے الفاظ کا جامہ پہنا کر غزل کے سانچے میں ڈالا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھ کو اب لگتا ہے گھر سے جب نکلتا ہوں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہر کوئی مکمل ہے ایک میں ہی ادھورا ہوں
اجنبی ہوں اپنوں میں بھیڑ میں اکیلا ہوں
میں کہ اک دریچہ ہوں اور بند رہتا ہوں

فرشتہ میرے حصّے کا عطا کر
مجھے بھی میرے ہونے کی خبر دے

گئی صدیوں کا حاصل پوچھتے ہو
صفر تک آئے ہم چل کر صفر سے

تصوف جیسے نازک اور سنجیدہ موضوع کو بھی بیتاب نے اپنی غزل میں پیش کیا ہے۔ جس سے ان کی عقیدت کا اندازہ صاف طور پر ہوتا ہے۔ انہوں نے جسم اور روح کی حقیقت کو بھی اشعار میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمایا ہے۔ انسان کے ظاہر و باطن اور اعمال و کردار کی اہمیت اور وقعت کو بھی بیتاب اپنے منفرد انداز میں سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

جسم تو فقط اک مکاں ہے
روح کو لامکاں چاہئے

وہ نہ ہوکر بھی ہے چار طرف
ہجر بھی اک وصال ہے گویا

میری تنہائی کی پگڈنڈی پر
میرے ہمراہ خدا رہتا ہے

سبھی ناخدا جب ہوا ہوگئے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہر اک سمت باقی خدا رہ گیا

کلام بیتابؔ میں تصوف کی عکاسی کے پیش نظر جناب شہاب للت یوں رقمطراز ہیں:

''خدا پرستی، بندے اور خالق کے مابین روحانی رشتہ مشرقی انداز حیات کا ایک جذو لاینفک ہے عرفانیت اور عبودیت کے جذبات نسل انسانی کے قلوب واذہان میں پیدا کرنے میں شاعروں کا ازل سے ایک واضح اور اہم رول رہا ہے۔۔۔پرتپال سنگھ بیتابؔ بھی اس پاک جزبے کے عقدیت مند ہیں۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی بعض غزلوں کے اشعار میں کہیں اشاراتی انداز میں تو کہیں کھل کر کیا۔'' (شباب للت، سرسبز، ص:۷۹)

ہجرت اور اس کے اثرات بھی بیتابؔ کی غزلوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ بیتابؔ ایک درد مند دل کے مالک ہیں۔ تقسیم ہند اور اس سے پیدا شدہ صورت حال نے پوری دنیا کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ بیتابؔ نے اس کرب ناک دور کی بازدید اپنے بعض اشعار میں کرائی ہے۔ کہتے ہیں:

گھاٹ اپنا رہا نہ گھر ہی رہا
اب تو باقی فقط سفر ہی رہا

یاد ہے سروسمن کی خوشبو
اپنے گم گشتہ وطن کی خوشبو

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ہجرت کے بعد مجھے معلوم ہوسکا
میرے سوا بھی کوئی میرے سونے گھر میں تھا

جو غیر منقسم تھا وہ تقسیم سب ہوا
رستوں کے نام لے کر مسافر جدا ہوئے

اردو شاعری کے جملہ شعری محاسن کو بیتاب نے اپنی غزلوں میں برتا ہے، خاص طور پر استعارہ، تلمیح، تضاد، تشبیہ، اشارہ کنایہ، تعلّی، وغیرہ کا زیادہ استعمال کیا ہے۔ جدید غزل گو شعراء کی طرح بیتاؔب نے علامتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں کئی نادر اور خوبصورت ترکیبیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جو خود ان کی خلق کردہ ہیں:

مجھے پتھر ہی پتھر دیے ہیں
اب ان ہاتھوں کو آذر کا ہنر دے

زندگی دیکھ میں تیری خاطر
روز کس کس طرح سے مرتا ہوں

منتظر ازل سے ہوں میں کسی کو لمبس کا
بیکراں سمندر میں بے نشاں جزیرہ ہوں

دن کی دہلیز پر سوچوں بیتاؔب
جائے گی یہ سیہ رات کہاں

بیتاؔب کی غزلوں میں فنی لوازمات کے برتاو کے سلسلے میں ارمان نجمی لکھتے ہیں:

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

''بیتابؔ کی غزلیں بھی اسی تخلیقی ہنر مندی اور حسی سچائی کی آئینہ دار ہیں جو ان کی نظمیہ شاعری کی خصوصیات کہی جاسکتی ہیں۔اسے صنفِ غزل کے تقاضوں اور فنی مطالبات کا ادارک بھی ہے اور ان سے عہد برآ ہونے کا طریقہ اسے معلوم ہے۔اس کی غزلوں میں اشاریت اور علامتوں کا ایک ایسا نظام قائم ہے جس کے ذریعے اس کے باطن میں جانکا جاسکتا ہے۔''

(ارمان نجمی،سر سبز،ص:۱۳۳)

بیتابؔ کی شاعری میں جہاں تک زبان اور انداز بیان کا تعلق ہے۔ان کے طرز بیان میں روانی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔انہوں نے مشکل اور ثقیل اردو اور فارسی الفاظ سے بڑی حد تک پرہیز کیا ہے۔زیادہ تر غزلیں چھوٹی بحروں میں کہی ہیں۔ان کی غزلوں کی ردیفیں اور قوافی بھی دلکش ہیں۔ غالبؔ اور اقبالؔ کی زمینوں میں بھی چند غزلیں کہیں ہیں۔ بقول بلراج کومل:

''بیتابؔ نے بحروں اور لفظوں کے انتخاب میں رواں دواں بحروں اور سامنے کے الفاظ کو غیر ہموار بحروں اور فارسی نژاد الفاظ اور تراکیب پر ترجیح دی ہے۔ بیتابؔ کی وہ غزلیں جو چھوٹی بحر میں سہل ممتنع کی زندہ اور دلآویز مثالیں ہیں۔'' (بلراج کومل،موج ریگ،ص:۱۳۰)

وہ جو رہتا ہے آنکھ سے اوجھل

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اُس کا سایہ دکھائی دیتا ہے
جزیرہ جزیرہ شجر دشجر
کسے ڈھونڈتی ہے تمہاری نظر
برف ہے یہ جو رہ گئی جم کے
اور جو بہہ گیا وہ پانی ہے
پھر کسی شاخ پر کوئلی بولی
پھر تیرا رنگ سخن یاد آیا
ابھی سرحد کی اُس جانب ہیں کچھ آثار باقی
ابھی تو آنے والے کچھ پرندے اور بھی ہیں

بیتابؔ کی غزلوں سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ وہ بظاہر خوشحال زندگی گزار رہے ہیں لیکن باطنی طور پر وہ خود کو بہت ہی تنہا اور اکیلا محسوس کر رہے ہیں۔ عصر حاضر کا انسان اس بھیڑ بھری دنیا میں اپنی پہنچان کی جستجو میں بھٹک رہا ہے۔ بیتابؔ اپنے عالیشان گھر میں دنیا کی ساری سہولتیں ہونے کے باوجود اکیلا پن محسوس کر رہے ہیں۔ اپنا روحانی تشخص حاصل کرنے کے لئے وہ مسلسل سفر میں محو ہیں۔ سمندر کی طرح خاموش نظر آنے والے بیتابؔ کے اندر کئی موجیں طلاطم خیزی برپا کر رہی ہیں۔ جس کے اندر وہ اپنے وجود کی تلاش میں ڈھوبتے ابھرتے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال کی عکاسی بیتاب نے اپنے کلام میں متعدد جگہ کی ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

دونوں ظاہراً بھرپورر دونوں باطناً خالی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

دیکھتا ہوں میں اس کو اور مجھ کو گھر میرا
اجنبی ہوں اپنوں میں بھیڑ میں اکیلا ہوں
میں کہ اک دریچہ ہوں اور بند رہتا ہوں

ہجوم بیکراں کے درمیاں ہیں
کسی کو کیا بتائیں ہم کہاں ہیں

یاد ہوگا تجھے اے گرد سفر
مجھ سے بچھڑی تھی میری ذات کہاں

مجھ کو جینا نہیں ہے کچھ مشکل
مسئلہ تو میری بقا کا ہے

بظاہر تھے بھرپور بیتابؔ ہم
بباطن مگر اک خلا رہ گیا

بیتابؔ کے کلام کے مطالعے سے بعض ایسے اشعار بھی نظر نواز ہوتے ہیں۔جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس ادبی مقام اور مرتبے کے وہ حقدار ہیں وہ انہیں نہیں ملا ہے۔انہیں اس بات کا افسوس ہے کہ بعض لوگ ان کی شاعری کے بجائے ان کے مذہب کو دیکھتے ہیں۔جو کسی بھی شاعر یا مصنف کے ادبی تشخص میں ایک دیوار کا کام کرتا ہے۔اس سلسلے میں افضل شاہین کے پوچھے گئے ایک کا سوال جواب دیتے ہوئے بیتابؔ کہتے ہیں:

''ایک سکھ ہونے کی وجہ سے مجھے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔۔۔افسوس کہ ہندوستان میں اردو ادب

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

کے معاملات میں غیر مسلم شعراء واد با میں وہ خود اعتمادی
نہیں پیدا ہونے دی گئی جس کی کسی شاعر ادیب فن کار کو
اشد ضرورت ہوتی ہے۔ میرے بار یمیں تو کچھ ایک نام
نہاد اردو داں حضرات اکثر کہتے ہیں سکھ کیا اور اردو
شاعری کیا۔'' (افضل شاہین، سر سبز، ص:۱۱)

لیکن اس کے باوجود بھی بیتابؔ ادبی سفر میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ موصوف امید اور عزائم پر بھرپور یقین رکھتے ہیں۔ اور جذبات اور احساسات کو مسلسل اردو زبان ہی کے ذریعے اظہار کرتے ہیں۔ انہیں آنے والی نسلوں سے اچھی امید ہے جوان کے فن کو فن کے آئینے میں تولیں گے نہ کہ مذہب کے آئینے میں۔ یہی وجہ ہے کہ بیتابؔ اپنے آپ کو آئندہ کا شاعر تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

حال میں تو کیا کھوجتا ہے بیتابؔ مجھے
مستقبل کا خواب ہوں میں آئندہ ہوں

کچھ مزاج اپنا ہی تھا بیتابؔ اُن سب سے جُدا
بس اکیلے چل دیئے ہم کارواں رہنے دیا

حسرت اپنی کہ نام عبارت میں ہو کبھی
لیکن ہمیشہ ذکر مرا حاشیے میں تھا

ہم کو خاموش نہ جانو صاحب
اندر اک شور بپا ہے

بحیثیت مجموعی یہ کہنے میں مجھے کوئی تامل نہیں ہے کہ بیتاب نہ صرف

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

ریاست جموں وکشمیر بلکہ برصغیر کے ایک اہم اور معتبر غزل گو شاعر ہیں۔ان کی غزلوں میں وہ تمام لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں جو ان کے دیگر ہمعصروں میں ہیں۔بعض مقامات پر موصوف ان سے سبقت لے جاتے ہیں۔عصر حاضر کے جملہ حالات و واقعات، حادثات ومعاملات کو پیش نظر کرنے میں بیتابؔ نے ایک مخصوص لب ولہجہ اور زبان وبیان اختیار کر کے ایک انوکھا شعری منظر نامہ خلق کیا ہے۔جو ان کا اپنا ہے۔جس کے لئے انہوں نے نئ نئ تراکیب، تشبیہات، استعارات اور علامات تراشے ہیں۔امین بنجارا کی رائے پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

''پرتپال سنگھ بیتابؔ کی شاعری کا اہم وصف جذبات کی صداقت ہے۔دور حاضر کی اخلاقی گراوٹوں، کدورتوں، بے ضابطگیوں، منامرتوں، انسان کی محرومیوں حتیٰ کہ اپنی ذات کے انتشار کا اظہار کرتے ہوئے بھی وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے ان کی یہی ادا انھیں اپنے معاصرین سے ممتاز کرتی ہے۔''

(امین بنجارا، ''موج ریگ''، فلیپ سے)

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

اسکولوں میں اُردو نثر کی تدریس کے جدید طریقہ کار

انسان اپنے جذبات و احساسات کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا ہے جن میں ایک طریقہ تحریری تخلیق کا ہے۔ مراد یہ کہ انسان اپنے تخیلات، تجربات اور مشاہدات کو قلم کی زبان سے بیان کرتا ہے۔ ادب کی تعریف مختصراً یہی کی جاتی ہے کہ اپنے جذبات کو مناسب و موزوں ترین الفاظ میں اظہار کرنا۔ اب چونکہ ادب دو حصوں پر مشتمل ہے نظم و نثر تو ان کے فرق کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ نثر سادہ اور عام فہم الفاظ میں روانی کے ساتھ اپنے جذبات کی عکاسی کا نام ہے جبکہ نظم (شاعری) میں جذبات کی پیش کش کے لیے ہم آہنگ الفاظ (ردیف و قافیہ)، موسیقیت اور ترنم کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

ادب کو بنیادی طور پر دو خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول نثر اور دوم نظم (شاعری)۔ کسی بھی سطح کے طلبہ کو پڑھاتے وقت پہلے ان کو اس بنیادی تفریق سے آگاہ کرانا ضروری ہے۔ جب طلبہ اس لائق ہو جائیں گے کہ وہ شاعری اور

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نثر کی تمیز کر سکیں گے،اس کے بعد ان کو مختلف اصناف ادب سے روشناس کرانا چاہئے۔چونکہ ہمارا موضوع ''اسکولوں میں اُردو نثر کی تدریس کے جدید طریقے کار''تو یہاں ہماری توجہ اسی جانب ہونی چاہے۔

کسی بھی موضوع کی تدریس کا آغاز کرنے سے پہلے طلبہ کو آمادہ کرنا ضروری ہے۔آمادگی تدریس کی پہلی اور لازمی شرط ہے۔کوئی بھی مضمون یا موضوع ہو جب تک طلبہ پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے استاد چاہے کتنا بھی اچھا پڑھائے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔جہاں تک اردو نثر کا تعلق ہے اس کی مختلف اصناف داستان ،ناول، افسانہ،ڈراما،خاکہ،انشائیہ،سوانح وغیرہ کے بارے میں طلبہ کو بنیادی معلومات فراہم کرنی چاہیے۔

فرض کریں ہمارا سبق داستان ہے۔جو کہ اُردو نثر کی ایک اہم صنف ہے۔اس کا طریقہ تدریس یہ ہونا چاہے کہ جب استاد کمرۂ جماعت میں داخل ہوگا ۔تو اپنے موضوع کی طرف طلبہ کو راغب کرنے کے لئے انہیں کسی کہانی کے بارے میں سوالات پوچھے۔مثال کے طور پر بچو کیا تم نے کوئی کہانی سنی ہے؟ جنوں اور پریوں کی کوئی کہانی سنی ہے کیا تم کو راجا مہار جوں کے واقعات کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ اس طرح کے سوالات پوچھتے جائیں جب تک بچوں میں جاننے کا تجسس پیدا نہ ہوا اور وہ جاننے کے لئے پوری طرح آمادہ ہوں ۔اس وقت استاد اپنے موضوع کا اعلان کر کے ان کو متعلقہ موضوع کی تفصیلی جانکاری فراہم کرے گا۔یہاں استاد پہلے صنف کی شناخت،اس کے اجزائے ترکیبی ایک ایک کر کے سمجھائے۔کیونکہ ہر ایک صنف ادب ایک دوسرے سے کسی

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

نہ کسی صورت میں مختلف ہوتی ہیں۔ تدریس نثر کے وقت استاد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ طلبہ مختلف اصناف نثر کی شناخت کر سکیں۔ داستان ناول اور افسانہ تینوں اصناف میں کہانی بیان کی جاتی ہے لیکن تینوں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان تینوں میں داستان کی خوبیوں اور اس کی تاریخ کے بارے میں مفصل معلومات سے طلبہ کو روشناس کرانا چاہیے۔ اردو کی اہم داستانوں طلسم ہوش ربا، دساستان امیر حمزہ، باغ و بہار، فسانہ عجائب وغیرہ کے نام گنوانے چاہئے تاکہ بچوں میں دلچسپی قائم رہے۔ اس کے بعد شامل نصاب داستان کے اسباق کی قرت کرنا شروع کرے۔ مشکل الفاظ کو تختہ ساہ یا سفید پر ساتھ ساتھ نوٹ کرتا جائے۔ ایک پیراگراف ختم کرنے بعد اس کی تفہیم و تفسیر کرتا جائے ساتھ ساتھ طلبہ کی حاظری کے لیے دوران سبق کچھ پوچھتا بھی رہے جس سے سبھی طلبہ سبق کی طرف پوری طرح متوجہ رہیں گے۔ آخر میں مشکل اور نامانوس الفاظ کے معنی بورڈ پر لکھے اور بچوں سے بھی نوٹ کروائے۔ سبق کو اور زیادہ موثر بنانے کے لئے طلبہ میں سے کسی کو آخر میں مختصراً پوری کہانی سنانے کے لئے کہا جائے۔ اس سے سبھی بچوں میں دلچسپی برقرار رہے گی اور یاد کرنے کا جذبہ بھی بڑھ جائے گا۔

اگر ناول کی تدریس مقصود ہے تو یہاں استاد کو پہلے داستان کے بارے میں بنیادی باتوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ناول کا آغاز داستان کے بعد ہوا ہے اور دونوں کی بنیاد کہانی پن پر ہوتی ہے۔ طلبہ کو اس مرحلے میں یہ معلوم ہونا چاہے کہ داستان اور ناول اُردو نثر کی دو مختلف اصناف ہیں۔ داستان طویل قصے کو کہتے ہیں جس میں عموماً فرضی واقعات یا فوق الفطرت عناصر موجود ہوتے ہیں

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

۔جن سے حقیقی زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔جبکہ ناول کہانی کی وہ قسم ہے میں حقیقی زندگی کی عکاسی کی جاتی ہے۔اس میں وہی واقعات پیش کیے جاتے ہیں جو ہماری زندگی سے مناسبت رکھتے ہیں۔اس بنیادی فرق کو ذہن نشین کرانے کے بعد استاد کو ناول کی صنفی شناخت اور اس کے آغاز وارتقاء کے بارے میں مکمل جانکاری بچوں کو فراہم کرنی چاہئے۔اُردو کی مشہور ناولوں مرات العروس ،فسانہ آزاد ،گودان، فردوس بریں ،امراو جان ادا ،وغیرہ کا مختصر تعارف پیش کرنا چاہے۔ اس کے بعد شامل نصاب ناول کے حصے کو پڑھانا شروع کرنا چاہے۔سبق کو دلچسپ بنانے کے لیے ناول کے کسی حصے کو ڈرامائی انداز میں طلبہ کی مدد سے پیش کرنا چاہے۔اس حوالے سے میرا ایک ذاتی تجربہ بھی ہے کہ ایک جماعت میں میں نے شامل نصاب ناول کے ایک حصے کو مختلف طلبہ کی مدد سے ڈرامائی انداز میں پیش کرایا۔جس سے بچوں کی دلچسپی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

افسانہ بھی اس قبیل کی ایک جدید صنف ہے جس میں ہماری زندگی کا کو ئی واقعہ مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔اس کی تدریس میں بھی پہلے استاد کو چاہیے کہ وہ اس کی صنفی شناخت سے طلبہ کو واقف کرائے۔اس کے بعد افسانہ کی تاریخ کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرے۔شروع کے ایک دو دنوں میں طلبہ متعلقہ صنف کے اسرار ورموز سے آشنا ہو جائیں گے،اس کے بعد استاد کو شامل نصاب افسانہ کو پڑھانا چاہے۔اس میں بھی استاد ایک دن افسانہ کی کہانی کو طلبہ کی مدد سے ڈرامائی انداز میں پیش کرا سکتا ہے۔جس سے طلبہ کی دلچسپی اور دوسری صلاحیتیں بھی ابھر سکتیں ہیں۔

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

خاکہ، سوانح اور خودنوشت فکشن سے مختلف اصناف ہیں ۔ان کا تعلق انسانی زندگی سے براہ راست ہوتا ہے۔ان کو پڑھاتے وقت بھی صنفی شناخت اور موضوعاتی تنویت سے طلبہ کو آگاہ کرنا چاہے تاکہ آگے چلے کر ان میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔خاکہ، سوانح اور خودنوشت تینوں کے دائرہ کار مختلف ہوتے ہیں۔ان کی تدریس کے وقت مختلف تاریخی شخصیات کے کارناموں سے اوران کے حالات زندگی سے طلبہ کو واقف کرانا چاہیے۔اس سے ان میں کچھ کر گزرنے کی لگن اور آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔اگر مناسب ہو تو کسی تاریخی شخصیت کے مزار پر بھی طلبہ کا کسی دن لے جانا چاہیے۔

یہاں تک ہم مختلف اصناف کی تدریس کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔لیکن عملی صورت میں کلاس کے محدود وقت کے دوران ہمیں ان سبھی طریقوں پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔لہٰذا جدید وسائل کا استعمال کر کے جدید طریقے اپنانا لازمی ہو جاتا ہے۔جن میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔سب سے پہلی چیز کلاس روم (کمرۂ جماعت) میں جدید سہولیات دستیاب ہوں ۔انٹرنیٹ اور پروجکٹ بورڈ وغیرہ۔

۲۔استاذ متعلقہ موضوع پر پاور پوئنٹ پیشکش سے زیادہ موثر انداز سے پڑھا سکتا ہے۔کیونکہ جو بات کہنے اور دیکھنے دونوں میں آتی ہے وہ زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

۳۔طلبہ کی شراکت کسی بھی موضوع کی کامیاب تدریس کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔لہٰذا طلبہ کو بھی ہفتہ وار رول نمبر کے مطابق ایک ایک موضوع پر اپنے

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

خیالات کا اظہار کرنے کے لیے تیار کرنا چاہئے۔

۴۔ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنے کے لئے طلبہ کو پڑھائے گئے ابواب کی مشق کرانے کے لئے کہا جائے اور کسی دن صرف اسی کا امتحان لیا جائے۔اس سے طلبہ میں نئے اور نامونوس الفاظ یاد کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

۵۔اسی طرح کسی دن صرف تلفظ اور صحت زبان پر مخصوص کلاس کا اہتمام کرنا چاہئے۔اس سلسلے میں اسکول انتظامیہ کو اگر کوئی ماہر زبان بھی مدعو کرنا پڑے تو اور زیادہ بہتر ہوگا۔

۶۔وقفے وقفے سے ادبی نشستوں کا انعقاد کرنا چاہیے۔اس سے طلبہ میں آدب محفل اور تخلیق ادب کی جانب رغبت پیدا ہوگی۔

۷۔کبھی کسی نامور ادبی شخصیت پر دستیاب فلم کلاس روم میں دکھانی چاہیے۔

۸۔اسی طرح سال میں ایک دو مرتبہ کسی زندہ ادبی شخصیت کو اسکول میں مدعو کیا جانا چاہئے اور طلبہ سے متعارف کرانا چاہیے۔

۹۔بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنے کے لئے دورانِ سیشن تخلیق افسانہ یا تخلیق خاکہ نشست رکھی جائے۔جس میں پہلے سے موضوع دیا جائے اور طلبہ کو اپنے اپنے انداز میں اظہار کرنے کے لئے کہا جائے۔

۱۰۔کلاس میں بحث و مباحث اور اظہارِ رائے کے لئے ہمیشہ ماحول قائم کرنا چاہے۔اس سے طلبہ میں تنقیدی حس پیدا ہوگی اور وہ مختلف اصناف کے بارے میں اپنی آرا ظاہر کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

☆☆☆

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure

TAFAKKURAAT
(Tanqeedi wa Tahqeeqi Mazameen)

By

Dr. Mushtaq Ahmad Ganai

تعارف

نام : ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

قلمی نام : مشتاق عالم

والد : عبدالغفار گنائی

والدہ : ساجدہ بانو

پیدائش : یکم مارچ ۱۹۸۷ء، سامبورہ، پانپور، پلوامہ، کشمیر

تعلیم : ایم۔اے اُردو کشمیر یونیورسٹی، سرینگر (۲۰۱۰)

پی۔ایچ۔ڈی، اندور یونیورسٹی اندور، ایم۔پی (۲۰۱۸)

JKSET 2016، UGC NET/JRF 2012

تصانیف : جموں وکشمیر میں اردو غزل ۱۹۴۷ء کے بعد (۲۰۱۹)

پیشہ : درس وتدریس محکمہ اعلیٰ تعلیم حکومت جموں وکشمیر

پتہ : گنائی محلّہ سامبورہ، پانپور، پلوامہ، کشمیر

پوسٹ آفس: کاکاپورہ۔192304

موبائل نمبر : 7006402409

ای۔میل : mushtaqalamphd87@gmail.com

GNK PUBLICATIONS

Email : gnkpublications@gmail.com

Mob : 8082186649, 7006738304

Ph : 01951-295207

ISBN 978-93-91606-12-1

978-93-91606-12-1

₹ 350.00

GNK URDU   GNK URDU   gnk.publications   GnkPublications

Digitized By e Gangotri and Kashmir Treasure